كتب الجاليات ٤٣ / ٩

السلي

راه نجات

إعداد

قسم الجاليات بالمكتب

أردو ٠٣٠١٢٥٤

كتب الدعوة بالسلي | الرياض – السلي - هاتف ٢٤١٤٤٨٨ – ٢٤١٠٦١٥ تحويله ناسوخ ٢٣٢
الحساب الموحد بمصرف الراجحي SA٢٢٨٠٠٠٠٠٢٩٦٦٠٨٠١٠٠٧٠٥٠٩

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

بلاشبہ ساری تعریفیں اللہ تعالی کے لے ہیں، ہم اسکی حمد وثنا بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے مغفرت کے طلب گار ہیں، ہم اپنے نفس اور اپنے اعمال کی برائی سے اللہ عزوجل سے پناہ مانگتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت دینا چاہے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو گمراہ کرنا چاہے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

حمد وصلاۃ کے بعد:

ہر انسان کی یہ دلی خواہش ہے کہ وہ دنیا وآخرت کے عذاب سے نجات پا جائے اور سعادت دارین سے اپنے دامن کو بھر لے، لیکن مفہوم نجات کو ہر انسان اپنے پیرائے میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ آیئے ایک طائرانہ

نگاہ اس پر ڈالتے چلیں۔

بعض حضرات نجات کا یہ مفہوم نکالتے ہیں جو حقیقت میں قابل افسوس ہے کہ انسان اپنی کرسی پر براجمان رہے اور روپئے پیسے سے اپنی جیب کو بھرلے۔

جب کہ وہیں بہت سارے لوگوں کے یہاں نجات کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ذمہ داروں کی خوشنودی حاصل کرلیں۔

جب کہ وہیں ایک تیسری جماعت نجات کے مفہوم کو ایک نیا رخ دیتے ہوئے کہتی ہے کہ انسان سرزنش کرنے والوں کی سرزنش اور ڈانٹ و پھٹکار کرنے والوں کی ڈانٹ و پھٹکار سے بچ جائے۔

جب کہ نجات کا مفہوم اکثر و بیشتر افراد کے یہاں یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی گزارے، چاہے اس کے لئے حرام ہی کا وسیلہ کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔

بنابریں ہمارے سماج و سوسائٹی میں مکر و فریب، جھوٹ و دغابازی اور

نفاق جیسی بیماریاں عام ہوچکی ہیں، جو مسلم معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں اور جن کا نجات کے مفہوم کو دوسرے معنی میں بدلنے میں اہم رول ہے، اور حقیقت میں یہی وہ اصلی اسباب ہیں جنہوں نے مفہوم نجات کو پستی اور ہلاکت کے دہانے میں ڈھکیل دیا ہے۔

ہمارے سماج میں نجات کا مفہوم ہلاکت کے مترادف ہو گیا ہے اور ہلاکت و بربادی کا مفہوم نجات بن گیا ہے لیکن سابقہ تمام اقوال ونظریات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ سابقہ تمام اقوال حقیقت میں مفہوم نجات سے عاری ہیں، نجات کا حقیقی مفہوم جہنم سے دوری اور جنت میں داخلہ ہے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾[آل عمران ۱۸۵].

پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بیشک وہ کامیاب ہو گیا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

لَیسَ السَّعِیدُ الَّذِی دُنیَاہُ تُسعِدُہُ   إنَّ السَّعِیدَ الَّذِی یَنجُو مِنَ النَّارِ

خوش قسمت وہ شخص نہیں جسے دنیا خوش کردے، بلکہ خوش قسمت وہ شخص ہے جو جہنم کے آگ سے بچ جائے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی صفات ہیں جو انسان کے لئے دنیاوآخرت میں باعث نجات ہیں انہیں چیزوں کے جاننے اورعمل پیرا ہونے کے لئے اب آپ تیار ہوجائیں، تو لیجئے یہ کتاب حاضرخدمت ہے پڑھیں اور ان خوش نصیبوں میں سے ہوجائیں جو اچھی باتیں سننے کے بعد اس پرعمل پیرا ہوتے ہیں ۔

مغفرت الٰہی کا طالب:

عبدالهادی بن حسن وہبی

ص.ب٦٠٩٣/شوران، بیروت، لبنان

فون نمبر: ٦٢٦٧٧٨

پہلی صفت : توحید کی بجا آوری

عَنْ مُعَاذٍ ﷺ قَالَ : كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَىٰ حِمَارٍ يُقَالُ لَهُ : عُفَيْرٌ، فَقَالَ: (يَا مُعَاذُ ،هَلْ تَدْرِيْ حَقَّ اللّٰهِ عَلَىٰ عِبَادِهِ،وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَىٰ اللّٰهِ ؟)قُلْتُ : اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ:(فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَىٰ الْعِبَادِ: أَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئاً ، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَىٰ اللّٰهِ : أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً).

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ایک گدھے پر سوار تھا جس کا نام عفیر تھا،آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ: کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہےاور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اور اسکے رسول زیادہ جاننے والے ہیں،اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر

یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں. اور رہا بندوں کا حق اللہ پر تو اللہ بھی اس شخص کو عذاب نہ دے جس بندے نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔[بخاری (۲۸۵٦) مسلم (۳۰)].

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمانا : (حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئاً) "اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں،،

اللہ عزوجل کا ہر انسان پر یہی حق ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے۔﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاريات ٥٦].

''میں نے جناتوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے''

لیکن صرف عبادت کرلینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ دوسرا جزیہ ہے کہ انسان اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اس لئے کہ کوئی بھی عبادت اس وقت تک اللہ تعالی کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ شرک سے خالی نہ ہو، اگر اس میں ذرہ برابر بھی شرک کا شائبہ پایا گیا تو وہ عبادت کے زمرے میں داخل نہیں ہوسکتی۔

جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾

[الكهف : ۱۱۰]

"تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے،،

اس لئے کہ شرک عبادتوں کے لئے کینسر ہے، تمام اعمال کو خاک

میں ملانے والا ہے شرک کی آمیزش کی وجہ سے اللہ تعالی مشرکوں کے اعمال کو قبول نہیں فرماتا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الانعام ۸۸]

"اگر فرض کرلیں یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہوجاتے"

اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمانا: (أَنْ يَعْبُدُوهُ) "صرف اسی کی عبادت کرو"۔

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ جس طرح عبادت بغیر توحید کے کھوکھلی ہے، اسی طرح کوئی بھی عبادت حقیقی معنوں میں اس وقت تک عبادت کا درجہ نہیں پاسکتی، جب تک کہ وہ سنت نبوی کے مطابق نہ ہو، لہذا عبادت اور دیگر تمام قبولیتِ اعمال کی دو شرطیں ہیں۔

۱۔اخلاص ''ہر کام اللہ کی خوشنودی ورضا جوئی کے لئے کیا جائے''

۲۔سنت کی مطابقت ''وہ کام سنت کے مطابق ہو''۔

رہا اللہ کے رسول ﷺ کا یہ قول : (وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَىٰ اللّٰهِ :أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً)

''بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جس بندے نے اللہ کے ساتھ شریک نہ کیا ہو اسکو اللہ بھی عذاب نہ دے''.

یہی بندوں کا حق ہے جو اللہ کے ذمہ ہے، اور یہ حق بھی کوئی واجبی حق نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ایک احسان ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے ذمہ کسی کا کوئی حق نہیں ہے، اور نہ ہی اس کائنات کی کوئی بھی چیز اس پر کوئی حق واجب کرسکتی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ)[الروم ٤٧]

''ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے'' یہ حق اللہ کی طرف سے ایک عطیہ ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مَا لِلعِبَادِ عَلَيهِ حَقٌّ وَاجِبٌ　　كَلَّا وَلَا سَعْيٌ لَدَيهِ ضَائِعٌ
إن عُذِّبُوا فَبِعَدلِهِ أَوْ نُعِّمُوا　　فَبِفَضلِهِ وَهُوَ الكَرِيمُ الوَاسِعُ

[شرح الطحاويه ٢/١/٢٩٥-٢٩٦].

''بندوں کا اللہ پر کوئی واجبی حق نہیں ہے،لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ کسی کی کوئی کاوش اس کے یہاں برباد ہوجائے ،اگر بندے عذاب دیئے گئے تو بھی یہ اس کا عدل وانصاف ہی ہوگا ،اور اگر نازونعمت سے نوازے گئے تو بھی یہ اس کا فضل وکرم ہی ہوگا،اللہ تعالی بہت زیادہ مہربان اوروسعت والا ہے۔

بندوں کا اللہ پر یہ حق بطور انعام واکرام ہے،جس کو اللہ تعالی نے اپنے نفس پر واجب کرلیا ہے چہ جائے کہ مخلوق میں سے کوئی اس پر اپنا حق واجب کرے ،اللہ تعالی نے اپنے وعدے کا لحاظ رکھتے ہوے اس طرح کے حق کو اپنے اوپر واجب کرلیا ہے اور اللہ تعالی

اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ۔ فرمان باری تعالی ہے:﴿وَعْدَ اللَّهِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ﴾[الروم٦] دیکھئے: إعانة المستفيد بشرح كتاب التوحيد[١/٤٤-٤٧].

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمانا :(أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً) " جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو اللہ اس کو عذاب نہ دے" مفہوم یہ ہے کہ جس شخص نے آخری دم تک توحید کو اپنے سینے میں بسائے رکھا اس کا جنت میں داخلہ حتمی ہے۔اگر وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہے اور اسی پہ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے تو ایسا انسان اللہ کی مشیت کے تابع ہوگا ،اگر اللہ تعالی نے ابتدائی مراحل میں ہی اس کو معاف کر دیا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا،ورنہ وہ جہنم میں اپنے جرائم کے بقدر عذاب دیا جائے گا، پھر وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

رہا وہ شخص جو شرک اکبر کا مرتکب ہے،اور اسی حالت میں اس کا

انتقال ہوتا ہے، تو ایسے آدمی کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا، ایسا آدمی اللہ کی رحمت وشفقت کا حقدار نہیں ہوگا، اور اگر آدمی شرک اصغر کا مرتکب ہے اور اس کے پاس اس کے مقام ومرتبہ کو بلند کرنے کے لئے زائد نیکیاں نہیں ہیں، تو ایسا شخص بھی جہنم رسید ہو گا لیکن یہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں نہیں رہے گا. [ملخص فی شرح کتاب التوحید (۴۹-۵۰) د/فوزان].

اللہ کی قسم نعمتِ توحید ایک انمول تحفہ ہے، اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ شرک سے بچتے ہوئے توحید خالص کو اپنانے میں کوئی دقیقہ فروگذشت نہ کریں۔

شرک کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ یہ بہت خطرناک بیماری ہے جس کا ہم احساس نہیں کرتے، اور اس سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس کو اللہ تعالی نے صبر واستقامت، اچھے اعمال، سچی بات، اور توحید کی بجا آوری کی توفیق بخشی ہو. [الدرر السنیۃ (۲/ ۲۷۵)].

چنانچہ جو شخص اپنے نفس کے لئے ناصح ،اور اپنی سعادت وکامیابی کا خواہاں ہووہ اس حساس امر کے لئے سدا چوکنا رہے ،اسے اپنی زندگی کا سب سے اہم جز ،اور اپنے علم وعمل کا محور بنالے،اس لئے کہ ساری چیزیں اسی توحید ہی سے وابستہ ہیں ،اور قیامت کے دن اس کے بارے میں سوال بھی کیا جائے گا۔

اور جب اس کی عظمت کا یہ حال ہے تو ضروری ہے کہ توحید کی قدر کی جائے اور اسے ہر حالت میں اپنانے کی کوشش کی جائے ،اور اسے مقصد حیات بنالیا جائے۔

اللہ تعالی ہمارے دلوں کو شمع توحید سے منور کردے،اس پہ جان چھڑکنے کی توفیق دے،کیونکہ ساری چیزیں تیرے ہی حکم سے وجود پذیر ہوتی ہیں ،الہ العالمین تو ہم سب کو قول وعمل کا پابند بنادے۔

آمین

دوسری صفت : جماعت کولازم پکڑنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ عَمرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُو لُ اللهِ ﷺ (تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَىٰ ثَلاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُم فى النَّارِ، إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً)، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ ؟! قال: (مَا أَنا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي).

”عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میری امت تہتر جماعتوں میں بٹ جائے گی ، سوائے ایک جماعت کے (باقی) سب جہنمی ہیں، صحابۂ کرام نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ فرقہ کون سا ہوگا جو جہنم سے نجات پائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایسی جماعت ہوگی جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقے پر چلنے والی ہوگی“ [ترمذی (۲۶۴۱)۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح سنن الترمذی (۲۱۲۹) میں نقل کیا ہے].

ہدایت کا وہ سرچشمہ جس پر جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام قائم ودائم تھے اصل میں وہی صحیح طریقہ ہے، نہ کہ بعد کے ادوار کی ایجادہ کردہ بدعات وخرافات، اللہ تعالی اس سے ہم کو محفوظ رکھے اور راہ نجات کو مضبوطی سے پکڑنے کی توفیق عنایت فرمائے، کیونکہ یہی سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے اور اسی میں ہر انسان کے لئے نجات پنہاں ہے۔

چنانچہ ہر مسلمان جو اپنے لئے خیر کا خواہاں ہو، اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ علیہ وسلم کی اس حدیث پر غور کرے جو حقیقت پر مبنی ہے اور جس کی تائید کے لئے اللہ تعالی کا یہ قول کافی ہے ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ [النجم ۳-۴].

''اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے''۔

رسول اکرم ﷺ خالق اور مخلوق دونوں کے یہاں یکساں سچے ہیں، بنابریں آپ ﷺ کی افتراق امت کی پیشین گوئی اپنی جگہ پہ حق بجانب ہے، اوراس کا ہونا حتمی اور ضروری ہے، لہذا اہم نجات کے حصول کے لئے عقیدہ اور تمام اعمال میں رسول اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کی روش اور طریقے کے تتبع اور فرماں بردار بن جائیں۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ)

"میں تم لوگوں کو روشن شاہراہ پر چھوڑے جارہا ہوں، جس کی رات اس کے دن کی مانند ہے، میرے بعد اس سے منحرف ہونے والے کا انجام ہلاکت ہی ہے۔" [ابن ماجہ (۴۳) عرباض بن ساریہ اس حدیث کے راوی ہیں اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح سنن ابن ماجہ میں ذکر کیا ہے ۴۱].

یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم أجمعین سنت کو اپنانے میں

کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، بلکہ ہر حالت اور ہر جگہ میں اسے اپنانے کی کوشش کرتے، یہی ان کی دوستی اور دشمنی کا معیار تھا، یہیں سے ان کی ابتداء اور انتہاء ہوتی تھی ،اور دشمنوں کے ناپاک عزائم کا منھ توڑ جواب بھی اسی سے دیتے تھے،اور اس کی حفاظت کی خاطر اس پر اپنی جان چھڑکتے تھے.[اعلام السنۃ المنشورہ ص:۲۶].

چنانچہ وہ لوگ جو آپ ﷺ کے اور آپ کے اصحاب کے طریقے پر قائم ودائم رہے اور مستقبل میں بھی اس پر قائم رہیں گے وہی حق پر ہوں گے اور وہی لوگ اللہ کی اس وصیت کے فرماں بردار بھی ہوں گے(أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ)[الشوری:۱۳].

"دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ مت ڈالنا"

یہ جماعت ہمیشہ حق کے تلاش میں لگی رہی ،تفرقہ بازی سے بچتی رہی ،اور سدا ایک جسم وجاں کا نمونہ پیش کرتی رہی، اگر چہ دوسروں

کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت کم رہی اور ان کے مخالفین ومعاندین کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہی ،لیکن مخالفین کا کم یا زیادہ ہونا یہ نقصان دہ نہیں ہے اس لئے کہ ہر زمانے میں حق پرستوں کی تعداد کم رہی ہے۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب　یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

(عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَامَ فَقَالَ :أَلَا إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِينَا فَقَالَ :أَلَا إِنَّ مَنْ قَبْلَكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوا عَلَىٰ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَإِنَّ هَذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَىٰ ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ :ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ) .

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو۔ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے بیچ کھڑے ہوئے اور فرمایا: خبردار ہو جاؤ! تم سے پہلے یہود ونصاری بہتر فرقوں میں بٹ

گئے تھے، اور ہماری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی، بہتر فرقے جہنم میں ہوں گے، صرف ایک فرقہ ہی جنت کا مستحق ہوگا، اور اسی کا نام جماعت ہے۔[ابوداود(۴۵۹۷) البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھئے صحیح سنن أبی داود(۳۸۴۳)]۔

اس حدیث میں تہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقے کو اللہ کے رسول ﷺ نے جماعت کا نام دیا ہے، اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ تمام فرقے اگرچہ عدد میں زیادہ ہیں لیکن حقیقت میں وہ جماعت کہلانے کے حقدار نہیں ہیں بلکہ وہ فرقے والے ہیں۔

اللہ تعالی نے حضرات ابراہیم علیہ السلام کو اکیلے ہی امت کا خطاب دے رکھا ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِلَّهِ حَنِيفاً﴾ [النحل: ۱۲۰] بیشک ابراہیم علیہ السلام ایک امت (پیشوا) تھے، اور اللہ تعالی کے فرمانبردار اور یکطرفہ مخلص تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو امت سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ ان کے زمانے میں ان کے علاوہ اور کوئی دوسرا مسلم نہیں تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عُرِضَتْ عَلَيَّ الأُمَمُ فَرَأَيْتُ النَّبِيَ وَمَعَهُ الرُّهَيْطُ وَالنَّبِيَ وَمَعَهُ الرَّجُلُ، وَالرَّجُلَانِ، وَالنَّبِيُّ لَيسَ مَعَهُ أَحَدٌ...)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مجھ پر امتیں پیش کی گئیں، میں نے دیکھا کہ بعض انبیاء کرام کے ساتھ چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں اور بعض انبیاء کرام کے ساتھ ایک آدمی اور دو آدمی ہیں اور بعض انبیاء ایسے ہیں جن کے ساتھ کوئی نہیں ہے۔[بخاری (۵۷۰۵) مسلم (۲۲۰)].

اللہ کے نبیوں میں سے بعض انبیاء کرام ایسے بھی ہوں گے جن کے ہاتھوں پر ایمان لانے والے دس سے بھی کم ہوں گے، اور اللہ کے نبیوں میں سے بعض انبیاء ایسے ہوں گے جن کے ساتھ ایک اور

دوآدمی ہوں گے اور وہیں بعض انبیاء ایسے ہوں گے جن کے ساتھ ان کے متبعین میں سے کوئی نہیں ہوگا۔

اس میں اس بات کی واضح دلیل موجود ہے کہ انبیاء کرام کی دعوت قبول کرنے والوں کی کثرت وقلت ان کے حق اور باطل پر ہونے کا معیار نہیں ہے۔(سلسلۂ صحیحہ)(۱/۶۸۴).

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ:(الْجَمَاعَةُ مَا وَافَقَ الْحَقَّ وَإِنْ كُنتَ وَحْدَكَ)

''حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جماعت وہ ہے جو حق کے موافق ہو اگر چہ تو تنہا ہی کیوں نہ ہو'' (شرح اصول اعتقاد اہل السنہ ۱۶۰) البانی رحمہ اللہ نے اس اثر کی سند کو صحیح قرار دیا ہے مشکاۃ المصابیح (۱/۶۱)

ابوشامہ رحمہ اللہ نے فرمایا: رہی بات جماعت کے لازم پکڑنے کی تو اس سے مراد برحق جماعت کو لازم پکڑنا اور اس کی تابعداری کرنا

ہے، چہ جائے کہ جماعت حقہ کو اپنانے والے اپنے مخالفین کے مقابلے میں بہت کم ہوں، اس لئے کہ یہی وہ حق ہے جس پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب قائم ودائم تھے، چنانچہ بدعت اور اس کو فروغ دینے والوں کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔[الباعث علی انکارالبدع والحوادث ص (۱۹۔۲۰)].

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے زمانے میں اکثر وبیشتر لوگ راہ حق سے بھٹک گئے تھے، چند ایسے خوش نصیب ہی تھے جو راہ حق پر گامزن تھے، اس زمانے میں انہیں پر جماعت کا اطلاق ہوا، سارے فقہاء، مفتیان شرع متین، خلیفہ اور اس کے متبع سارے راہ حق سے بھٹکے ہوئے تھے، اور امام احمد رحمہ اللہ تنے تنہا رہتے ہوئے بھی جماعت کے حقدار بنے، اور جب یہ بات لوگوں کی عقلوں پر بوجھ بن گئی تو انہوں نے خود خلیفہ کے دربار میں حاضر ہو کر اس بارے میں دریافت کیا کہ اے امیر المؤمنین کیا امت کے سارے

فقہاء، مفتیان شرع متین، تمام قضاۃ اور پوری رعایا باطل پر ہے اور صرف احمد بن حنبل رحمہ اللہ راہ راست پر ہیں؟ جب اس کا جواب خلیفہ سے نہ بن پڑا تو ایک لمبی قید و بند کی سزا کے ساتھ کوڑے کی کاری ضرب سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے جسم کو چھلنی کر دیا گیا۔[اعلام الموقعین (۳/۹۵)].

اے مسلمانو! اگر تم صراط مستقیم پر چلنا چاہتے ہو، جس کے پہلے علمبردار رسول اکرم ﷺ اور صحابۂ عظام تھے جنہوں نے حق کو جاننے کے لئے اپنے تن من کی بازی لگا دی، اپنے ہر مال و متاع کو اللہ کی خاطر قربان کر دیا تو تم اپنے آپ کو صبر و استقامت کا پیکر بنا لو۔

عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنهُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:يَاتِي عَلَىٰ النَّاسِ زَمَانٌ ،الصَّابِرُ فِيهِم عَلَىٰ دِينِهِ كَالقَابِضِ عَلَىٰ الجَمرِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا لوگوں پہ ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں دین پر ثابت قدم انسان کی مثال آگ کے انگارہ کو ہاتھ میں لینے کی مانند ہوگی۔[ترمذی (۲۲۶۰) البانی رحمہ اللہ اس حدیث کو صحیح سنن الترمذی (۲/۵۰۵) میں ذکر کیا ہے]

وَعَنْ عُتْبَةَ بنِ غَزْوَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:((إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ لِلْمُتَمَسِّكِ فِيهِنَّ يَوْمَئِذٍ بِمَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرُ خَمْسِينَ مِنْكُمْ))قَالُوا :يَانَبِيَّ اللَّه ! أَوْمِنْهُمْ ؟ قَالَ : بَلْ مِنْكُمْ .

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تمہارے پیچھے صبر کا زمانہ آنے والا ہے، اس میں دین پر ثابت قدم انسان کا ثواب جس پہ تم سب کاربند ہو، پچاس آدمیوں کے ثواب کے برابر ہوگا.صحابۂ کرام نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے

رسول ﷺ کیا ہم میں سے پچاس آدمیوں کے ثواب کے برابر ہوگا یا ان میں سے پچاس آدمیوں کے ثواب کے برابر ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے پچاس آدمیوں کے ثواب کے برابر ہوگا۔[ابن نصر نے السنۃ ص:۹ میں ذکر کیا ہے اور طبرانی نے الکبیر (۱۷/۱۱۷/۲۸۹) میں اور البانی رحمہ اللہ نے الصحیحہ (۴۹۴) میں ذکر کیا ہے].

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ صحابۂ کرام کے بعد ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں دین پسندوں کی تعداد بہت کم ہوگی، یہ لوگ زمانے کے ستائے ہوئے ہوں گے، ہر مصائب ومشاکل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے ہوں گے، ان کی مثال اس شخص کے مانند ہے جو آگ کا انگارہ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے پھر رہا ہو، کیونکہ اس وقت معارضین کتاب وسنت قوت وطاقت میں بہت زیادہ ہوں گے، پرفتن چیزوں کی کثرت ہوگی، شہوت کی چیزیں بآسانی

دستیاب ہوں گی ، ایمان کی کمزوری نمایاں طور پر واضح ہوگی ،لوگوں کا شیرازہ بکھرا ہوا ہوگا ،اتحادو اتفاق نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی ۔

لیکن دین پر ثابت قدم انسان مخلوق کا سب سے بہتر انسان ہوگا ،اس کا مقام و مرتبہ ،قدر و منزلت ،اجر وثواب دو چند ہوگا ، یہاں تک کہ اس کا ایک عمل (دین پر ثبات) صحابۂ کرام کے پچاس اعمال کے برابر ہوگا .اس کے برعکس صحابۂ کرام کی فضیلت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے ،ان کے کارہائے نمایاں ، جیسے رسول اکرم ﷺ کی صحبت ، جہاد ،ہجرت وغیرہ کا شرف جو انہیں حاصل ہے اس میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے ،چنانچہ قرب قیامت دین پر ثابت قدم انسان صرف اسی ایک چیز میں افضل ہوگا ،لیکن صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بقیہ تمام اعمال میں بہتر ہیں ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:(إِنَّكُمْ فِيْ زَمَانٍ،مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا أُمِرَ بِهِ هَلَكَ،ثُمَّ

يَأتِي زَمانٌ ،مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ بِعُشْرِ مَا أُمِرَ بِهِ نَجَا .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: [اے صحابۂ کرام کی جماعت] تم ایک ایسے زمانے میں زندگی گزار رہے ہو جس میں شریعت اسلامیہ پر چلنے والا اگر دسواں حصہ بھی چھوڑ دے تو وہ ہلاک و برباد ہو جائے گا، لیکن تمہارے بعد ایک ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے جس میں اگر کوئی صرف دسویں حصے پر ہی عمل پیرا ہو جائے تو وہ کامیاب ہو جائے گا۔[ترمذی (۲۲۶۷) اور البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح سنن الترمذی میں ذکر کیا ہے (۲/۵۰۸)]

اللہ تعالی رحم فرمائے ان اشخاص پر جنہوں نے فرقہ پرستی، بدعات وخرافات سے بچتے ہوئے سنت کو اپنی زندگی کا جزلاینفک بنایا، صراط مستقیم کے ہمیشہ متلاشی رہے، اس راستے میں درپیش مسائل کا نہایت ظریفانہ طریقے سے مقابلہ کیا، اور اس پر بقاء وثبات کے لئے ہمیشہ اللہ تعالی سے مدد طلب کرتے رہے [الشریعۃ (۱/۳۱۵)].

ایک اہم فائدہ

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمانا: (كُلُّهَا فِي النَّار) سب جہنم میں ہوں گے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہنے والے ہیں، لیکن ان کا وہ کام جو سنت کے مخالف رہا وہ اہل جہنم کے اعمال میں سے ہے اس لئے کہ اہل جنت، جہنمیوں کے برعکس ہیں، بنابریں ہر وہ کام جو اہل جنت کے اعمال کے مخالف ہے وہ جہنمیوں کے اعمال میں داخل ہے، اور اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے، اس لئے کہ في النار اور اصحاب النار میں فرق ہے، اصحاب النار سے مراد اہل جہنم ہیں جو ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے، اور فی النار سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے جرم کے بقدر جہنم میں عذاب دیئے جائیں گے اور اس کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ [شرح العقیدہ السفارینیہ ص: (۹۱-۹۲)].

تیسری صفت : ایمان

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اندر ارشاد فرماتا ہے: ﴿ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴾ [سورة الأنبياء : (٨٧-٨٨)].

بالآخر وہ اندھیروں کے اندر پکار اٹھا کہ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بیشک میں ظالموں میں ہوگیا تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچالیا کرتے ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر کیا ہے جسے یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ کے اندر کی تھی، جب وہ متعدد اندھیروں میں گھر گئے تھے، بلا شبہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور بشارت ہے ہر اس مومن کے لئے جو دنیاوی مصائب ومشکلات

سے گھرا ہوا ہو یقیناً ایک دن اللہ تعالی ایسا بھی لائے گا جس میں وہ ساری پریشانیوں سے دور خوش وخرم زندگی گزارے گا اور یہ اس کے ایمان ہی کا ثمرہ ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالی نے یونس علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ [تیسیر الکریم الرحمٰن ص۷۳۲].

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ [النمل: (۵۳)].

ہم نے ان کو جو ایمان لائے تھے اور پرہیز گار تھے بال بال بچالیا۔

اللہ تعالی تیسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ [فصلت: (۱۸)].

اور (ہاں) ایماندار اور پارساؤں کو ہم نے (بال بال) بچالیا۔

مذکورہ بالا آیتوں میں مومنوں کی مدح سرائی، اور رفع درجات کا ذکر ہے اور اس بات کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ اللہ کے عذاب سے

صرف ایماندار اور پارسا ہی بچ سکتے ہیں۔

ایمان تمام فضیلتوں کی بنیاد اور اسکی جڑ ہے، اور اچھی صفات میں سب سے محکم اور معظم ہے، ایمان وہ ہتھیار ہے جس سے احوال کی پاکیزگی وابستہ ہے، اور اسی پر اعمال کی قبولیت منحصر ہے، لہذا ایمان کے حقوق کو لازم پکڑو، اس کے وہ لوازمات جن کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑنے میں کوتاہی نہ کرو، ایمان کے اصولوں کو اپناؤ اور اس کے ظاہری وباطنی اعمال کو اپنے سینے میں سجالو، اس لئے کہ انسان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ایمان کے راستے پہ کما حقہ گامزن نہ ہو جائے۔

چوتھی صفت : تقوی

اللہ تعالی قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ [الزمر:٦١].

اور جن لوگوں نے پرہیز گاری کی انہیں اللہ تعالی ان کی کامیابی کے ساتھ بچالے گا، انہیں کوئی دکھ چھو بھی نہ سکے گا اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے۔

مَفَازة: کا معنی شر سے بچ جانا اور خیر وسعادت سے ہم کنار ہو جانا ہے، اس لئے کہ پرہیز گاروں کے ساتھ نجات کا وہ ہتھیار ہے جسے ہم تقوی کے نام سے جانتے ہیں جو ہر شدت و پریشانی، مصائب ومشکلات میں مومن کا انمول ہتھیار ہوتا ہے۔

تقوی شرعی کلمات میں سب سے زیادہ جامع و مانع ہے اور اس کا

مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کے عذاب سے بچاؤ کی تدبیر کر لے اور ہر وہ سبب اختیار کرے جو انسان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکتا ہے اور یہ چیز اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب انسان اللہ کے اوامر کو کما حقہ بجالاتے ہوئے تمام منہیات سے اپنے آپ کو بچا لے اور اللہ کے اوامر کو بجالانا اور منہیات سے اجتناب کرنا یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان کو ان چیزوں کا علم ہو، لہذا ان چیزوں کا علم حاصل کرنا اور پھر اس پر عمل پیرا ہونا اولین ترین امور میں سے ہے اور جب یہ دونوں چیزیں کسی انسان کے لئے علم وعمل کی شکل میں حاصل ہو جائیں تو اس سے خشیت الٰہی اور تقوی کا حصول یقینی ہو جاتا ہے۔ [شرح ریاض الصالحین: ۳/۳۳۱].

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴾ [مریم: (۷۱-۷۲)].

تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے، یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی، فیصل شدہ امر ہے۔ پھر ہم پرہیز گاروں کو تو بچالیں گے اور نافرمانوں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

اللہ کا یہ خطاب بنی نوع انسان کے لئے ہے، چاہے وہ مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد کار، اسے جہنم میں نصب کئے گئے پل سے گزرنا ہوگا۔ یہ قسم الٰہی ہے جس کا ذکر مذکورہ بالا آیات میں کیا گیا ہے، اللہ تعالٰی کا یہ حکم نافذ ہو کر رہے گا، اس کے نفوذ میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اور آیت بالا میں مذکورہ ورود سے مراد جہنم کے اوپر بنائے گے پل پر سے ہر مومن و کافر کا گزرنا ہے، مومن تو اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بہ دیر گزر جائیں گے، کچھ تو پلک جھپکتے، کچھ بجلی اور ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کی

طرح گزر جائیں گے، بعض ایسے بھی ہوں گے جو دوڑ رہے ہوں گے، کچھ معتاد چال چل رہے ہوں گے، اور کچھ چوتڑ کے بل گھسٹ رہے ہوں گے، یوں کچھ بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی تاہم پل عبور کر لیں گے، کچھ جہنم میں گر پڑیں گے جنہیں بعد میں شفاعت کے ذریعے سے نکال لیا جائے گا۔[تیسیر الکریم الرحمٰن: (۳/ ۲۱۵).]

خشیت الٰہی سے دلوں کو معمور کرو، کیونکہ خشیت الٰہی ہی سب سے بڑا ڈھال ہے، اور اس دن کی تیاری کر لو جب جہنم کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا جائے گا، اور پل صراط کو جہنم کے اوپر نصب کر دیا جائے گا، تو کچھ جہنم میں گر کر ہچکولے کھا رہے ہوں گے، کچھ کانٹوں میں پھنسے ہوئے نظر آئیں گے اور کچھ با سلامت نکل جائیں گے یہ ایک طے شدہ امر ہے۔[شرح الطحاویہ ۲/۱/ ۲۹۵۔۲۹۶].

لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی نجات کا بندوبست کر لیں، جہنم سے آزادی کے لئے اپنا ہر پل اور ہر لمحہ صرف کر

دیں،اور اپنے دلوں میں یہ بات بٹھالیں کہ ہمارا ہر نیک عمل ہی ہمارے کام آسکتا ہے،اللہ ہی معین ومددگار ہے اور اسی کی ذات سے امیدیں وابستہ ہیں،ساری طاقت وقوت صرف اللہ ہی کے پاس ہے،وہ سب سے بڑا اور سب کا مالک ہے۔

پانچویں صفت : اللہ سے مغفرت طلب کرنا

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴾[الانفال :٣٣].

اور اللہ تعالی ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں۔

اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرنا یہ ایک ایسا امان (سیفٹی) ہے،جس کے ذریعے اللہ تعالی انسان کو دنیوی واخروی عذاب سے محفوظ کر دیتا ہے۔امت اسلامیہ کے ہر فرد و جماعت کو اس امان کا جان لینا،اور اس کا بار بار ذکر کرنا ،اور اس کے مقتضا کے مطابق عمل کرنا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ اسی میں انسان کی نجات پنہاں ہے۔

استغفار کا مطلب اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرنا ،گناہوں سے چھٹکارہ چاہنا، گناہوں کو مٹانا ،اس کے اثر کو زائل کرنا،اور اس

کی برائی سے راہ فرار اختیار کرنا ہے۔اور یہی وہ عظیم ہتھیار ہے جو عذاب کے لئے ڈھال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ مغفرت طلب کرنے والے کو عذاب نہیں دے گا۔لیکن وہ شخص جو اپنے گناہوں پر مصر ہو اور دوسری طرف اللہ سے مغفرت کا بھی طالب ہو تو ایسا شخص استغفار حقیقی سے بہت دور ہے اور اس طرح کا استغفار عذاب الٰہی سے محفوظ نہیں کرسکتا ہے۔[تہذیب مدارج السالکین ص: (۲۸۰)]۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی قبولیت کو تین چیزوں سے مشروط کردیا ہے، پہلی چیز یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور اس گناہ کو فوراً چھوڑ دے اور دوسری چیز یہ ہے کہ اس پر اصرار کرنے سے بچے اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ کبھی یہ گناہ نہیں کرے گا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا

عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾[آل عمران :١٣٥].

اور جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالی کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔

ان ساری چیزوں کا علم ہو جانے کے بعد ہمارے لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ زبان سے صرف استغفر اللہ کہنا ،جس کا اعضاء وجوارح پر کوئی اثر نہ ہو یہ ایک زبانی دعوی ہے، جیسے کوئی یہ کہے کہ اے اللہ ہماری مغفرت فرمادے، یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے اور اس کی قبولیت کی امید کی جا سکتی ہے، لیکن وہیں اہل علم کا ایک بہت بڑا طبقہ اس طرح کی دعا کو جھوٹے لوگوں کا توبہ قرار دیتے ہیں، اور اس طرح کی توبہ کو توبہ نہیں مانتے ،ان کی یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے۔ کیونکہ حقیقی توبہ اسی وقت مانا جائے گا جب تائب تمام گناہوں

سے دور ہو جائے، لیکن صرف زبانی دعوی کرنا، گناہوں کی پوٹلی لئے بیٹھے رہنا، اور زبانی مغفرت کا دعوی کرنا سود مند نہیں ہے گرچہ بہت سارے لوگوں نے زبانی استغفار کو سراہا ہے، چہ جائے کہ انسان کا دل اس کے مفہوم و معانی سے عاری ہو، پھر بھی یہ ایک حد تک مفید ہے، لیکن عموما یہی ہوتا ہے کہ ایسی دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: (وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ) اس بات کو ذہن نشین کرلو کہ اللہ تعالی ایسے دل کی پکار کو نہیں سنتا جو غفلت اور مشغولیت کے عالم میں اللہ کو پکارے [ترمذی (۳۴۷۹) امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور اسے صحیح سنن ترمذی (۳/۴۳۴) میں ذکر کیا ہے]۔

آج ہماری حالت اس لائق ہو چکی ہے کہ ہر وقت اور ہر لمحہ اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرتے رہیں، اس لئے کہ ہر پل

ہم سے گناہ سرزد ہوتا رہتا ہے، ہمارے کان گناہ کرتے ہیں، ہماری آنکھیں خطائیں کرتی ہیں، ہمارے اعضاء و جوارح گناہوں سے لت پت ہیں، اوران ساری چیزوں کا علاج استغفار ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

اللہ تعالی ہم تجھی سے مغفرت طلب کرتے ہیں، اپنے تمام گناہوں، خطاؤں، لغزشوں سے توبہ کرتے ہیں تا کہ تو ہمارے اوپر امن وامان کا سایہ کردے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے۔

چھٹی صفت : غصے کو پی جانا

عَنْ أَنَسِ بنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ
(مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ، كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے غصے کو روک لیا، اللہ تعالی اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا۔[ابو یعلی (۴۳۳۸)۔اور البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن لغیرہ کہا ہے اور اپنی کتاب الصحیحہ (۲۳۶۰) میں ذکر کیا ہے].

جس شخص نے اپنے غصے پر قابو پالیا تو وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہوگیا، اور اجر وثواب سے اپنے دامن کو بھر لیا۔

غصے کے مفاسد بڑے خطرناک ہیں، بسا اوقات انسان اپنے نفس کو، اپنے دین کو اور اپنے رب کو گالی دیتا ہے، یا اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، یا اپنے برتن کو توڑ دیتا ہے، وہیں کچھ لوگ ایسے بھی

ہیں جو اپنے کپڑے جلا کر خود اپنے آپ کو ہلاک کر لیتے ہیں، اور اس طرح بہت ساری چیزیں حالت غضب میں صادر ہوتی ہیں اور اس طرح کا احساس دلاتی ہیں کہ جیسے یہ کام ایک پاگل آدمی کے ہاتھوں انجام پا رہی ہوں۔ [شرح ریاض الصالحین۔(۲/۴۲۴)].

دنیا میں کتنے بڑے بڑے فتنے وفسادات رونما ہوتے ہیں، کتنی برائیاں جنم لیتی ہیں، کتنی عزتیں پامال کی جاتی ہیں، قتل وغارت گری کی شکل میں لوگوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے، رشتہ داریاں کاٹ دی جاتی ہیں، انسان اپنے آپ کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا لیتا ہے، جانتے ہیں ان سب کا سبب ایک ہے جسے ہم غصہ کے نام سے جانتے ہیں۔ بلکہ غصہ ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اللہ تعالی ہم کو غصے سے محفوظ رکھے، اور اس کے خطرناک انجام جو انسانی زندگی کے لئے مہلک ہے، زندگی کی چاشنی کو ترشی میں بدلنے والا ہے، اللہ ان تمام چیزوں سے تو ہمیں محفوظ کر دے۔ چنانچہ انہیں چیزوں کو مد

نظر رکھتے ہوئے شریعت اسلامیہ نے غصے کی حالت میں قاضی کے فیصلے کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:(لَا يَقْضِي الْقَاضِي بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ) فیصلہ کرنے والا دو آدمیوں کے درمیان حالت غضب میں فیصلہ نہ کرے۔[بخاری (۷۱۵۸) مسلم (۱۷۱۷) ابو بکرہ اس حدیث کے راوی ہیں].

اس لئے کہ غصہ انسان پر حاوی ہو جاتا ہے اور حالت غضب میں نفس پر کنٹرول دشوار ہو جاتا ہے اور بڑی مشکل سے انسان صبر وضبط کرتا ہے اللہ تعالی ہمیں غصہ سے بچائے۔

ہمارے رسول ﷺ نے غصہ سے آگ بگولا ہونے والے لوگوں کو کچھ ایسے اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جو ان کے غصے کو ٹھنڈا کر سکے اور صبر وتحمل سے کام لینے والوں کی آپ ﷺ نے بڑی تعریف فرمائی ہے، انھیں اسباب میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔شیطان مردود کے شر سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرنا۔

عَنْ سُلَيْمَانَ بنِ صُرَدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعالىٰ عَنْهُ قَالَ : كُنْتُ جَالِساً مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَرَجُلَانِ يَسْتَبَّانِ ،فَأَحَدُهُمَا احْمَرَّ وَجْهُهُ وَانْتَفَخَتْ أَوْدَاجُهُ ،فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا ذَهَبَ عَنْهُ مَايَجِدُ لَوْقَالَ :أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ،ذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِد.

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا دریں اثناء دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کو گالی دے رہے تھے،ان میں سے ایک آدمی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا،اس کی رگیں پھولی جارہی تھیں،اللہ کے رسول ﷺ نے انکی یہ حالت دیکھ کر فرمایا: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر اس کو کہہ لیا جائے تو اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا،اگر وہ کہہ دے (أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ)"میں شیطان کے شر سے اللہ کی

پناہ طلب کرتا ہوں" یقیناً اس کا غصہ ختم ہوجائے گا ۔[بخاری (۳۲۸۲-۶۰۴۸-۶۱۱۵) مسلم(۲۶۱۰)].

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:إِذَا غَضِبَ الرَّجُلُ فَقَالَ :أَعُوْذُ بِاللّٰهِ ،سَكَنَ غَضَبُهُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے،کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب آدمی غصہ کرے تو فوراً اس کو اعوذ باللہ پڑھ لینا چاہیئے اس سے اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔[سہمی نے تاریخ جرجان ص: (۲۹۲) اور ابن عدی نے کامل (۶/ ۴۵۱) میں ذکر کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو الصحیحہ (۱۳۷۶) میں ذکر کیا ہے].

۲۔ خاموشی اختیار کرنا۔

عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمَا قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:
(۔۔۔ وَإِذَا غَضِبتَ فَاسكُت).

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ......اور جب غصہ آجائے تو خاموشی اختیار کرلو، اس بات کو آپ نے تین بار ذکر کیا۔[امام احمد نے (۲۱۳۶-۲۵۵۶ - ۳۴۴۸) اور امام بخاری نے الادب المفرد (۱۳۲۰) میں ذکر کیا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیتے ہوئے صحیح الادب المفرد (۹۹۱) میں ذکر کیا ہے].

اللہ کے رسول ﷺ نے حالت غضب میں خاموشی اختیار کرنے کا حکم دیا اور تین مرتبہ اس کو دہرایا تا کہ ہر انسان اس کی اہمیت کو جان لے۔

خاموشی اختیار کرنا غصے کا بہت بڑا علاج ہے اس لئے کہ حالت غضب میں انسان کی زبان سے ایسی باتیں صادر ہوتی ہیں، جن پر انسان غصہ ختم ہونے کے بعد کفِ افسوس ملتا رہتا ہے، گالی گلوچ یا

اس طرح کی بہت ساری چیزیں جن کا نقصان بہت عظیم ہے خاموشی اختیار کر لینے سے آدمی اپنے آپ کو محفوظ کر لیتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمانا: (وَإِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ) جب غصہ آئے تو خاموش ہو جاؤ۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان حالت غضب میں بھی خاموشی کو لازم پکڑے، اس لئے کہ اس کی باتوں کا اللہ کی بارگاہ میں مواخذہ ہوگا۔

۳۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حالت غضب میں اپنے نفس پر قابو رکھنے والے اور اپنے غصے کو پی جانے والے کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِقَوْمٍ يَصْطَرِعُونَ فَقَالَ: (مَاهٰذَا؟) قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ هٰذَا فُلَانٌ

الصَّرِيعُ ،مَا يُصَارِعُ أُحداً إِلَّا صَرعَهُ.فقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:(أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن هُوَ أَشَدُّ مِنهُ؟رَجُلٌ ظَلَمَهُ رَجُلٌ فَكَظَمَ غَيُظَهُ،فغَلَبَهُ وَغَلَبَ شَيُطَانَهُ وَغلبَ شَيُطَانَ صَاحِبِهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا گزر ایک ایسی جماعت سے ہوا جو آپس میں پہلوانی کر رہی تھی آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟لوگوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ بڑا پہلوان آدمی ہے جو بھی اس سے کشتی کرتا ہے اس کو یہ پچھاڑ دیتا ہے،اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو ایک ایسے آدمی کے بارے میں نہ بتلاؤں جو اس شخص سے بھی زیادہ پہلوان ہے؟وہ آدمی جس پر کوئی شخص ظلم کرتا ہے لیکن وہ مظلوم ہوتے ہوئے بھی اپنے غصے کو پی جاتا ہے تو ایسا شخص ظالم کو،اس کے شیطان کو اور خود اپنے شیطان کو مغلوب کر دیتا ہے یا پچھاڑ دیتا ہے۔[البزار(۲۰۵۴)۔کشف الأستار اور حافظ ابن حجر نے فتح

الباری (۱۰/ ۵۱۹) میں اس کو حسن قرار دیا ہے]۔

وَعَنِ ابنِ عُمرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمَا قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:(مَا مِن جُرعَةٍ أَعظَمُ أَجراً عِندَ اللّٰهِ ،مِنْ جُرعَةِ غَيظٍ كَظَمَهَا عَبدٌ ابتِغَاءَ وَجهِ اللّٰهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی گھونٹ اللہ کے نزدیک اجر وثواب کے اعتبار سے اتنا عظیم نہیں ہے جتنا غصے کا گھونٹ ہے، جسے ایک بندہ اللہ کی خوشنودی طلب کرتے ہوئے پی جاتا ہے۔[ابن ماجہ نے (۴۱۸۹) اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح سنن ابن ماجہ (۳۳۷۷) میں ذکر کیا ہے]۔

ساتویں صفت : اللہ کا ذکر کرنا

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ (مَاعَمِلَ آدَمِيٌّ عَمَلاً أَنْجَى لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ)قِيلَ : وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ؟ قَالَ: (وَلَا الْجِهَادُ إِلَّا أَنْ تَضْرِبَ بِسَيْفِكَ حَتَّى يَنْقَطِعَ).

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ذکر سے بڑھکر کسی آدمی نے کوئی ایسا عمل نہ کیا جو اس کیلئے زیادہ نجات دلانے والا ہو عذاب سے پوچھا گیا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی نہیں فرمایا ہاں اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا بھی نہیں یہاں تک تو اپنی تلوار سے ایسی ضرب لگائے کہ وہ ٹوٹ جائے (یعنی وہ اللہ کے راستہ میں شہید ہو جائے، تو ایسے مجاہد کا عمل ذکر سے افضل ہوگا۔[طبرانی نے المعجم الأوسط

(۲۲۹۶) میں اور المعجم الصغیر (۲۰۹) میں اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن لغیرہ کا درجہ دیا ہے، دیکھئے صحیح الترغیب والترہیب (۱۴۹۷)].

یہ حدیث ذکرالٰہی کی فضلیت پر دلالت کرتی ہے، اللہ کا ذکر کرنا آخرت کی ہولناکیوں سے نجات کا سامان ہے، دنیا میں بھی وہ انسان کے لئے محافظ اور تمام خطرات کا علاج ہے۔[سبل السلام (۴/۴۱۹)].

اللہ تعالی کا ذکر دل، زبان، اور اعضاء وجوارح سے ہوتا ہے

اللہ کا ذکر دل سے کرنا: اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا دل اللہ تعالی سے جڑا ہوا ہو، اللہ کا ذکر ہمیشہ ہمیش اس کے دل کے نہاخانوں میں موجود ہو، وہ ہمیشہ اللہ کی عظمت اور اسکی نشانیوں کو اپنے دل میں مستحضر رکھے، اللہ کی تمام نعمت عامہ اور خاصہ کو اپنے دل میں سجائے رکھے، اور روئے زمین پر رونما ہونے والے

واقعات اور مخلوق میں پائی جانے والی تمام نشانیوں کا بدرجہ اتم مطالعہ کرے۔

اللہ کا ذکر زبان سے کرنا: اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زبان سے ایسی چیزیں کہے جو اس کو اللہ سے قریب تر کر دیں چنانچہ لا الہ الا اللہ کا پڑھنا ذکر ہے، اللہ اُکبر کہنا ذکر ہے، الحمد للہ کہنا ذکر ہے، سبحان اللہ کہنا ذکر ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرنا ذکر ہے، شرعی مواد کا مطالعہ کرنا ذکر ہے، اس لئے کہ یہ اللہ کے فرامین اور دینی اصولوں کا مراجعہ ہے، اللہ کے بندوں کو اللہ کے احکام کی یاد دہانی کرانا ذکر ہے، اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ذکر ہے۔

اعضاء و جوارح سے اللہ کا ذکر کرنا: اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر وہ کام کرے جو انسان کو اللہ تعالی سے قریب کر دے چنانچہ طہارت حاصل کرنا ذکر ہے، نماز کی ادائیگی کرنا ذکر ہے، زکاۃ

کی ادائیگی کرنا ذکر ہے،اس لئے کہ اللہ کاتقرب نیت صالحہ ہی کے ذریعہ ممکن ہے لہذا نیت کو خالص کرنا اور ہر کام کے وقت اس کو حاضر رکھنا اللہ تعالی کا ذکر ہی ہے ،اس طرح پورا کا پورا دین ذکر ہے۔[الضیاء اللامع ص:(۱۵۳)].

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:(خُذُوا جُنَّتَكُمْ)قُلْنَا : يَارَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مِنْ عَدُوٍّ قَدْ حَضَرَ ؟ قَالَ : (لَا جُنَّتَكُمْ مِنَ النَّارِ قُولُوا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ)فَإِنَّهُنَّ يَأْتِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُنَجِّيَاتٍ وَمُقَدِّمَاتٍ وَهُنَّ الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے ڈھال کو لے لو۔ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کسی دشمن سے (نبرد آزماں ہونے کیلئے جو ہمارے دیار پر حملہ کرنے کے لئے آ کھڑا ہوا)۔آپ ﷺ نے

فرمایا: نہیں ، بلکہ تم اپنے لئے ڈھال تیار کرلو جہنم سے بچنے کے لئے ،اور کہو سبحان اللہ والحمد للہ ولا إلہ إلا اللہ واللہ أکبر اے اللہ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں ،تمام تعریف تیرے ہی لئے ہے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور تیری ذات سب سے بلند وبالا ہے۔ یہ ایسے کلمات ہیں جو قیامت کے دن انسانوں کے لئے سرخ روئی وکامیابی کے ضامن ہوں گے،اور یہی وہ نیکیاں ہیں جو انسان کے لئے توشۂ آخرت ثابت ہوں گی۔[حاکم (۱/ ۵۴۱) اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے ان کی اس بات کی موافقت کی ہے] .

البیری رحمہ اللہ نے فرمایا: اے لوگو۔تم اپنے لئے بچاؤ کا سامان کرلو اور اپنے آپ کو مضبوط ڈھال کے ذریعہ جہنم سے محفوظ کرلو۔

جہنم تمہارا سب سے بدترین دشمن ہے
دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن جہنم ہی ہے

اس لئے تم اپنے رب حقیقی کو یاد کرتے رہو
کیونکہ اس کا ذکر جہنم سے نجات دلانے والا ہے۔

اس کی اہمیت کے پیش نظر ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس میدان میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرے، اور اس کو اپنی زندگی کا جزِ لاینفک بنالے، اور اس کے حصول کے لئے اپنی پوری توانائی کو جھونک دے، اور اس کے دامن سے لپٹ جائے، کیونکہ یہ ایسا میدان ہے جس میں پہنچنے کے لئے انسان اپنی سب سے عظیم ترین شئی کی قربانی دے سکتا ہے. اور اس پر مر مٹنے کے لئے ہر وقت و ہر لمحہ تیار رہ سکتا ہے۔

اللہ کے ذکر، اس کے شکر و احسان اور کما حقہ عبادتوں کی ادئیگی کے لئے اللہ تعالی سے ہم مدد کے طلب گار رہیں۔

آٹھویں صفت : اخلاص

نیت کے اندر خلوص پیدا کرنا، اللہ کی خوشنودی طلب کرنا، خوشی وغمی میں اللہ تعالی ہی سے لو لگانا، دنیاوی مصائب ومشکلات کا علاج ہے۔ جیسا کہ یہی چیز ان تین غار میں پھنسے ہوئے لوگوں کے لئے نسخہ کیمیا ثابت ہوئی، جن کا ذکر نبی اکرم ﷺ نے اپنی حدیث میں کیا ہے کہ تین لوگ کسی غار میں آ کر چھپ گئے تھے اور اس کے بعد ان کے اوپر ایک بہت بڑا چٹان حائل ہو گیا تھا اور اس وقت ان کے سر پر حائل ہونے والے چٹان کو دنیا کی اور کوئی طاقت ہٹا نہیں سکتی تھی، ان لوگوں نے کہا کہ اس بڑے چٹان سے نجات کے لئے صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال صالحہ کا واسطہ دے کر اللہ تعالی کو پکارے اسی سے گریہ وزاری کرے، پھر ہر ایک نے اس کو عملی جامہ پہناتے ہوئے یہ فرمایا کہ اے اللہ اگر میں نے یہ کام تیری خوشنودی کے لے کیا ہے تو ہم کو اس

مصیبت سے نجات دے دے، چنانچہ ان کی یہ پکار اللہ تعالی کے یہاں قبول ہوئی اور وہ بحفاظت وسلامت وہاں سے باہر نکل گئے۔[بخاری (۲۲۷۲) مسلم (۲۷۴۳)].

اخلاص ہی راہ نجات ہے جیسا کہ غار میں پھنسے ہوئے ان تین لوگوں نے اللہ تعالی کو اپنی مصیبت میں یاد کیا اور اسی سے گریہ وزاری کرتے رہے چنانچہ اللہ تعالی نے ان کو اس نامساعد حالات سے نکال کر بحفاظت وسلامت ان کے اہل وعیال میں پہنچا دیا۔

اخلاص جس قدر واضح ہے اسی طرح وہ نفس پر گراں بھی ہے اخلاص کو لازم پکڑنا اور اس پر ثابت قدم رہنا نفس انسانی کے لئے بہت بڑا جہاد ہے، اخلاص جتنا یہ عام لوگوں کے لئے ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ علماء وصالحین کے لئے ضروری ہے۔

نویں صفت : صدقہ

حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ أَمَرَ یَحْيَ بْنَ زَکَرِیَّا عَلَیْهِ السَّلَامُ بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ ،أَنْ تَعْمَلَ بِهِنَّ،وَأَنْ یَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِیْلَ أَنْ یَعْمَلُوا بِهِنَّ)فَذَکَرَ مِنْهَا : (وَآمُرُکُم بِالصَّدَقَةِ،فَإِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ کَمَثَلِ رَجُلٍ أَسَرَهُ الْعَدُوُّ ،فَشَدُّوا یَدَیْهِ إِلَی عُنُقِهِ،وَقَدَّمُوهُ لِیَضْرِبُوا عُنُقَهُ ،فَقَالَ : هَلْ لَکُمْ أَنْ أَفْتَدِيَ نَفْسِي مِنْکُمْ؟فَجَعَلَ یَفْتَدِي نَفْسَهُ مِنْهُمْ بِالْقَلِیْلِ وَالْکَثِیْرِ ،حَتَّی فَكَّ نَفْسَهُ).

اللہ تعالی نے یحی بن زکریا علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم دیا،خود ان پر عمل پیرا ہوں، اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کریں۔راوی حدیث فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان میں سے بعض کا ذکر فرمایا: میں تم کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا

ہوں،صدقہ کی مثال اس آدمی کی ہے جس کو دشمنوں نے قیدی بنالیا ہواوراس کے ہاتھ کو گردن سے باندہ دیا ہواوراس کو قتل کرنے کے لئے ہرطرح کی تیاری مکمل ہوچکی ہو،ایسے موقع پر قیدی گویا ہو، اورفرمایا کیا یہ ممکن ہے کہ میں فدیہ کے ذریعہ اپنے آپ کو تم لوگوں سے بچاسکوں؟چنانچہ اپنے نفس کی خلاصی کے لئے ہرچھوٹی بڑی چیز کو بطور فدیہ پیش کردیتا ہے ،یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کو دشمنوں کے چنگ سے آزادکرالیتا ہے۔[احمد (۴/۱۳۰) الترمذی (۲۸۶۳)اورعلامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کوصحیح قراردیا ہے ملاحظہ ہوصحیح الترغیب والترھیب (۵۵۲)].

صدقہ کی تاثیرحیرت انگیز ہے،عصرحاضرمیں بھی اس کی کئی مثالیں موجود ہیں ،جورسول اکرم ﷺ کی باتوں کی تصدیق کے لئے کافی ہیں۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ بنِ حَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (إِنَّ

صَدَقَةَ السِّرِ تُطْفِیءُ غَضَبَ الرَّبِّ).

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ایسا صدقہ جو چھپا کر لوگوں کو دیا جائے اللہ تعالی کے غصہ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔[الطبرانی (۱۹/ ۱۰۱۸) اور امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے ملاحظہ ہو صحیح الترغیب والترہیب (۸۸۸)].

اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے قیدی کی مثال پیش کی جس کو دشمنوں نے ہر چہار جانب سے اپنے نرغے میں لے رکھا ہے اور قتل کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں پھر وہ ان سے اپنی رہائی کی فریاد کرتا ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے بطور فدیہ پیش کر دیتا ہے اور اپنی رہائی کرالیتا ہے، اس میں ہر ایک انسان کے لئے نصیحت وعبرت ہے۔اسی طرح صدقہ وخیرات بھی انسان کو اللہ کے عذاب سے بچائے گا اور تمام گناہوں سے اس کی خلاصی کرائے گا، یہاں

تک کہ صدقہ اللہ کی بارگاہ میں سفارشی بن کر حاضر ہوگا اور اللہ تعالی سے اس کی رہائی کی فریاد لگائے گا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے عید کے دن خطبہ دیا اور عورتوں سے مخاطب ہوکر فرمایا: (يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَو مِنْ حُلِيِّكُنَّ،فَإِنَّكُنَّ أَكْثرَ أَهْلِ جَهَنَّمَ يَومَ القِيَامَةِ).

اے عورتوں کی جماعت تم زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کرو، اگرچہ وہ تمہارے زیور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ قیامت کے دن جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ ہوگی۔ [الترمذی (٦٣٥) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شریک حیات اس حدیث کی راوی ہیں اور علامہ البانی رحمہ نے اس حدیث کو صحیح سنن الترمذی (١/٣٩٤) میں ذکر کیا ہے]۔

اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں کو ایسی چیز کے خرچ کرنے پر ابھارا ہے جو ان کو جہنم کے آگ کے سے بچا سکے گی۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ صدقات وخیرات کریں، اور اس میدان میں ہمیشہ دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں ،اللہ ہمارے صدقات وخیرات کو قبول فرمالے اور ہماری مغفرت کا سامان بنادے۔آمین

دسویں صفت : سچائی

عَنْ كَعْبِ بنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ إِنَّما نَجَّانِي بِالصِّدْقِ ،وَإِنَّ مِنْ تَوْبَتِي :أَنْ لا أُحَدِّثَ إِلَّا صِدْقًا ،مَا بَقِيتُ .

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: بلا شبہ اللہ تعالی نے مجھے میری سچائی ہی کی وجہ سے نجات دی ہے،اور میری توبہ ہی کا حصہ ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں راست گوئی سے کام لوں۔[بخاری (۴۴۱۸) مسلم (۲۷۶۹)].

کتنے ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالی نے ان کی سچائی ہی کی وجہ سے دنیاوآخرت میں سرخروئی عطا فرمائے گا ،اور کتنے ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالی نے ان کے جھوٹ کی وجہ سے دنیا میں بھی ذلیل ورسوا کیا اور آخرت میں بھی ذلت ورسوائی ان کا مقدر ہوگی۔اللہ تعالی نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ سچے لوگوں میں سے ہو جائیں جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

وَ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾[التوبة:۱۱۹].

اے وہ لوگوں جو ایمان لائے اللہ تعالی سے ڈرو اور سچوں کے ساتھی بنو۔

سچے لوگوں کے ساتھ رہو جن کی ہر بات ، ہر کام اور ہر حالت سچائی پر منحصر ہوتی ہے، جب وہ کسی سے بات کرتے ہیں تو سچائی ان کی باتوں سے ٹپکتی ہے، جب وہ کسی سے معاملہ طے کرتے ہیں تو سچائی کو اپنا چولی اور دامن بنا لیتے ہیں، غرض یہ کہ ان کا ہر کام سچائی کی شہادت دیتا ہے، ایسی سچائی جس میں ذرہ برابر سستی و کاہلی، جھوٹ و دغابازی کا ادنی شائبہ نہیں ہوتا ہے، برے مقاصد اور بری نیتیں ان سے کوسوں دور ہوتی ہیں ۔[تیسیر الکریم الرحمٰن:۲/ ۲۹۵].

آیئے ہم سب مل کر دین کے سچے داعی ، سچے مربی ، سچے عالم، سچے واعظ اور سچے خطیب کی تلاش کریں۔ بلاشبہ ہمیں رسوائی ہاتھ لگے گی ، ہمارے سامنے قلم کاروں کی ایک بہت بڑی جماعت

ہے ،خطباء ومبلغین اسلام بھی کسی سے کم نہیں ہیں ، پند ونصائح کرنے والے بھی آپ کو پارکوں سے لیکر مسجدوں کی محرابوں تک ، سڑکوں سے لیکر گھروں کے دروازوں تک ہر پل اور ہر لمحہ ملیں گے لیکن یہ ساری چیزیں شہرت ،جاہ وعزت ،مال ودولت یا پھر کسی دنیاوی عزت ہی تک محدود ہوکر رہ گئی ہیں الا ماشاء اللہ۔وہیں دوسری طرف ہمارا سامنا کچھ ایسے لوگوں سے بھی ہوتا ہے جو لوگوں کو علم دین سکھانے میں اپنا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے ،ہمہ وقت اس پر مر مٹنے کے لئے تیار رہتے ہیں لیکن نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نہ تو ان کے علم میں برکت ہوتی ہے اور نہ ہی عمل میں بلکہ ان کی دعوت بھی شرف قبولیت سے عاری ہوتی ہے۔[کعب بن مالک ص:۳۹]

کتنے ایسے لوگ ہیں جو دینی کاموں میں بڑھ چڑھکر حصہ لیتے ہیں تا کہ لوگ ان کو بہت بڑا دین دار کہیں !

کتنے ایسے لوگ ہیں جو نام کمانے کے لئے ہی ہر میدان میں اپنا قدم جماتے ہیں!

کتنے لوگ ایسے ہیں جو اپنی عزت وشہرت میں چار چاند لگانے کے لئے اپنی جان تک بھی قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں!

کتنے ایسے لوگ ہیں جو اخبار و جرائد کی ہیڈ لائن بننا چاہتے ہیں!

یہ ایسے لوگ ہیں جن کا اللہ تعالی سے کوئی تعلق ہی نہیں، بلکہ وہ تو دوسروں کے لئے اپنی جان چھڑکتے ہیں. اگر کسی بھی کام میں کوئی دنیاوی فائدہ نظر آیا تو اس سے چپک جائیں گے ورنہ ان کا دور دور تک آتا پتا بھی نہیں ہوتا۔ [سعد بن معاذ ص:۴۹].

اللہ کے رسول ﷺ کی اس حدیث کو یاد کرو۔ (عَنِ ابنِ مَسعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنهُ عَنِ النَّبِيِ ﷺ قَالَ: إِنَّ الصِّدقَ يَهدِي إِلَىٰ البِرِّ، وَإِنَّ البِرَّ يَهدِي إِلَىٰ الجَنَّةِ وإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصدُقُ حَتّىٰ

يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيقاً، وَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِي إِلَىٰ الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَىٰ النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّىٰ يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّاباً).

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یقیناً سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے، اور جھوٹ نافرمانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور نافرمانی جہنم کرطرف لے جاتی ہے، اور آدمی یقیناً جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے ہاں اسے جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔ [بخاری و مسلم].

اور اس موقع پر ہم جناب محمد ﷺ کی وہ حدیث یاد کریں جس میں آپ نے اعرابی سے فرمایا تھا: (إِنْ تَصْدُقِ اللّٰهَ يَصْدُقْكَ)

اگر تم اللہ کو صادق مانو گے تو اللہ تعالی بھی تمہیں سچے ہی لوگوں کے

زمرے میں رکھے گا ۔[نسائی (۱۹۵۲)یہ حدیث کا ایک جز ہے.علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کوصحیح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہوصحیح سنن النسائی (۱۸۴۵)].

کاش یہ کلمات ہمارے سلوک کا جز بن جائیں!

کاش ہم بھی اس کے معنی ومفہوم کو سمجھ سکیں!

کاش ہم بھی اس کے اغراض ومقاصد کو جان سکیں![سعد بن معاذ ص:۵۴].

امت اسلامیہ پر جو تاریکی کے بادل منڈلا رہے ہیں ان میں سے ایک تاریکی سچائی کا فقدان بھی ہے، جو آج ہم سے بہت دور ہوتا جارہا ہے،ہم تو اس کے اولین علم بردار تھےلیکن ہم نے اس کو اپنے پاؤں سے روند دیا،قال اللہ وقال الرسول کو بالائے طاق رکھ دیا،جبکہ دوسری قومیں اس میدان میں ہم سے بہت آگے نکل گئی ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تاریکی کو محسوس کریں اوراس

کے حل کے لئے فوری طر پر قدم بڑھائیں۔

آیئے ہم عبادات ومعاملات میں سچے بن جائیں۔

آیئے ہم اپنے علم وعمل اور دعوت وتبلیغ میں سچے ہونے کی ایک ٹھوس ثبوت چھوڑ دیں کیونکہ ہر کامیابی وکامرانی، ہر اچھائی وبھلائی سچائی ہی سے وابستہ ہے۔اور ہر بربادی وپسپائی ،گھاٹا ونقصان بلکہ ہر برائی جھوٹ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

بنابریں ہر باشعور انسان کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ سچائی کو لازم پکڑے ،اپنے اقوال واعمال میں ،اور ہر حالت وکیفیت میں اللہ تعالی سے سچائی وراست گوئی کا طلب گار رہو،جس شخص نے اپنے آپ کو اس قابل بنالیا وہ نیک کاروں کے صف میں شامل ہوگیا اور اللہ کی خوشنودی سے اپنے دامن کو بھرلیا۔

سچ کہا ہے کسی شاعر نے:

سَيُعْطَى الصَّادِقُونَ بِفَضْلِ صِدْقٍ نَجَاةً فِي الْحَيَاةِ وَفِي الْمَمَاتِ

سچے لوگ اپنی سچائی کا بدلہ دنیاوآخرت میں سرخروئی وکامیابی کی شکل میں دیئے جائیں گے۔

اے اللہ تو ہمیں سچائی کا خوگر بنادے،ہمیں سچ بولنے، سچ پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمادے،تو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

گیارہویں صفت

خوف باری تعالی، میانہ روی، اور عدل وانصاف

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ :أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: (ثَلاثٌ مُنجِيَاتٌ:خَشْيَةُ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَ العَلانِيَةِ ،وَالعَدْلُ فِي الغَضَبِ وَالرِّضَا،وَالقَصْدُ فِي الفَقْرِ وَالغِنَى).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں نجات دینے والی ہیں: ظاہر وباطن میں اللہ تعالی سے ڈرنا، خوشی وناراضگی میں عدل وانصاف سے کام لینا، فقیری ومالداری میں میانہ روی اختیار کرنا۔[ابوشیخ نے اس حدیث کو طبقات المحدثین بأصبہان (۲/ ۱۸۸) میں ذکر کیا ہے اور یہ الفاظ اسی کتاب سے ماخوذ ہیں.اورابونعیم نے الحلیۃ (۲/۳۴۳) میں بھی ذکر کیا ہے۔اور علامہ البانی رحمہ اللہ

نے اس حدیث کی تمام سندوں کو جمع کر کے اس پر حسن کا حکم لگایا
ہے ملاحظہ ہو الصحیحۃ (۱۸۰۲)].

رہی پہلی چیز: ظاہر و باطن میں اللہ تعالی سے ڈرنا۔اس کا مطلب
یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ کی نگرانی میں محسوس کرے
،اس ذات کو اپنے سے بہت قریب جانے ،اسی لئے انسان کی یہ
ذمہ داری ہے کہ وہ تمام حرام کردہ چیزوں سے بہت دور ہو جائے
اور طاعات الہی میں کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے، سچی خشیت
الہی یہی ہے، اس لئے کہ اللہ کا خوف ظاہری امور میں اور خصوصا
لوگوں کے درمیان بسا اوقات ریا کاری کی وجہ سے ہوتا ہے، اور اس
طرح اللہ تعالی سے ڈرنا شرک کا ایک جز ہے کیونکہ وہ ریا کاری سے
کام لے رہا ہے،لیکن اگر انسان ایسی جگہوں پر بھی اللہ کا خوف اپنے
دل میں بسائے ہوئے ہوتا ہے جہاں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا تو
اسی کو حقیقی خوف کہا جاتا ہے۔آج ہمارا سابقہ کتنے ایسے لوگوں سے

ہوتا ہے جو لوگوں کے درمیان معاصی ومنکرات سے بہت دور ہوتے ہیں لیکن جب وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں ،اور ایسی جگہ پر ہوتے ہیں جہاں ان کے اور اللہ کے بیچ کوئی نہیں ہوتا تو معصیت کے معاملہ میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہوتا، یہ ایسے لوگ ہیں جو انسانوں سے ڈرتے ہیں ،اللہ کا خوف ان کے دلوں سے بہت دور ہوتا ہے،اس لئے کہ وہ انسان جو حقیقت میں اللہ تعالی سے ڈرتا ہے وہ ظاہر وباطن دونوں حالتوں میں اللہ کا خوف اپنے دل میں بسائے ہوئے ہوتا ہے، چاہے لوگوں کے بیچ ہو یا تنہا ہو، اس لئے کہ وہ انسان یہی سمجھتا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں دیکھ رہا ہے گرچہ وہ لوگوں کے کانوں اور آنکھوں سے اوجھل ہے، اسی کو دل سے ڈرنا بھی کہتے ہیں .دل کا خوف دیگر اعضاء وجوارح کے خوف سے اعظم ہے، دیگر اعضاء وجوارح سے خوف الٰہی کا اظہار کرنا یہ ہر انسان سے ممکن ہے لیکن جو شخص حقیقی معنوں میں اللہ تعالی

سے ڈرتا ہے اس کے ساتھ ایک منفرد شی جڑ گئی ہے جو اس کو دوسروں سے ممتاز کر دیتی ہے۔ظاہری طور پر اللہ کے خوف کا احساس دلانا یہ ہر جگہ اور ہر انسان کر سکتا ہے، ہر انسان اس بات پر قادر ہے کہ وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور بیجا حرکت سے پرہیز کرے، سجدے کی جگہ کو دیکھے، رفع الیدین کے وقت ہاتھ اٹھائے وغیرہ وغیرہ اور تمام ظاہری چیزیں نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے، لیکن اس کا دل نماز سے غافل ہو، اسی وجہ سے دل کا خوف سب سے اعظم و اکبر ہے۔اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے ہر حال میں اسی کو مقدم کیا ہے، اور انسانوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ صحیح معنوں میں دلی طور پر اللہ کو حاضر و ناظر سمجھیں۔[تفسیر سورۃ یس ص: (۳۶۔۳۷) علامہ عثیمین رحمہ اللہ کی تفسیر سے ماخوذ ہے].

رہی دوسری چیز: خوشی و ناراضگی میں عدل و انصاف سے کام لینا: یہ بہت ہی مشکل کام ہے، اس لئے کہ غصہ انسان کو ناحق بات کہنے

اور غیر منصفانہ فیصلہ کرنے پر مجبور کردیتا ہے، اس لئے جو شخص حالت غضب میں بھی اپنی حالت پر قابو رکھے اور راست گوئی سے کام لے، یہ اس کے ایمان کی پختگی کی دلیل ہے۔

تیسری چیز: مالداری اور فقیری میں میانہ روی اختیار کرنا: ہر انسان کے لئے مالداری اور غریبی باعث امتحان ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالی انسانوں کو آزماتا ہے مالداری کی حالت میں اللہ تعالی انسان کے اوپر سونے کی ٹڈیوں کی بارش کرتا ہے، وہیں دوسری طرف فقر وفاقہ میں مالداری کے تمام وسائل وذرائع کو بند کردیتا ہے ہر دو حالتوں میں انسان کو صابر وشاکر ہونا چاہیئے، اور اللہ تعالی نے مالداری کی حالت میں میانہ روی سے کام لینے کی ترغیب دی ہے کہ انسان فضول خرچی سے پرہیز کرے اور ساتھ ساتھ بخیلی سے بھی بہت دور رہے۔

عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنهُ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ

ﷺ (إِنَّ الهَدْيَ الصَّالِحَ ،وَالسَّمْتَ الصَّالِحَ،وَالاقْتِصَادَ،جُزْءٌ مِنْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءاً مِنَ النُّبُوَّةِ).

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: نیک چال وچلن ،اچھی خصلتیں،اور میانہ روی نبوت کے پچیس ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے ۔[ابوداود (۴۷۷٦)اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو حسن کہا ہے، ملاحظہ ہو صحیح الجامع (۱۹۹۳)].

یہ تینوں چیزیں ہر خیر کو شامل ہیں چاہے ان کا تعلق حقوق اللہ، یا حقوق العباد، یا حقوق النفس ہی سے کیوں نہ ہو .اور ان صفات کا حامل شخص دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوگا ان شاء اللہ۔

بارہویں صفت : پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بنِ عَمْروٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْھُمَا : عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّہُ ذَکَرَ الصَّلاۃَ یوماً ، فَقَالَ : (مَنْ حَافَظَ عَلَیھا، کَانَتْ لَہُ نُوراً وَبُرْھَاناً ،وَنَجَاۃً مِنَ النَّارِ یومَ القِیَامَۃِ ،وَمَنْ لَمْ یُحَافِظْ عَلَیْھَا،لَمْ تَکُنْ لَہُ نُوراً ،وَلَا نَجَاۃً وَلَابُرْھَاناً، وَکَانَ یَومَ القِیَامَۃِ مَعَ قَارُونَ ،وَفِرْعَونَ ،وَھَامَانَ ، وَأُبَيِّ بنِ خَلَفٍ).

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دن نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: جس نے نماز کو بحسن وخوبی ادا کیا، یہ نماز اس کے لئے بروز قیامت روشنی ،دلیل ،اور جہنم سے نجات کا سبب ہوگی ،رہا وہ شخص جو نمازوں سے دور رہتا ہے ان کی محافظت نہیں کرتا ،تو ایسے شخص کے لئے بروز قیامت نہ تو کوئی روشنی ہوگی ،اور نہ ہی دلیل وبرہان ،اور نہ ہی اور کوئی راہ نجات ہوگی،اور قیامت کے دن اس

کا حشر قارون،فرعون،ہامان ،اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔[الدارمی (٢٦٢١) أحمد(٦٥٧٦)].

پنج وقتہ نمازوں کی محافظت کرنے والا شخص دنیاوی زندگی میں بھی نماز کی روشنی سے فیض اٹھاتا رہتا ہے، جہاں یہ نمازیں مومنوں کے دلوں کومنور کرتی ہیں، وہیں ان کی بصارت وبصیرت میں بھی اضافہ کا سبب ہوتی ہیں، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

(جُعِلَتْ قُرَّةُ عَينِى فِي الصَّلاةِ).

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے ۔[النسائی (٣٩٥٠) حضرت انس اس حدیث کے راوی ہیں اور علامہ البانی رحمہ نے اس حدیث کوصحیح سنن النسائی میں ذکر کیا ہے ملا حظہ ہو(٣/ ٥٧)].

اسی طرح دنیاوی زندگی کے بعد بھی یہ نمازیں مومنوں کے لئے ان کی قبروں میں روشنی کا سامان ہوں گی اور روز قیامت تاریکیوں کے سیاہ پردے کو چاک کرنے والی ہوں گی ،اور یہی نہیں بلکہ پل

صراط جس سے ہر چھوٹے بڑے کو گزرنا ہے، وہاں بھی یہی نمازیں ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گی، اور وہاں لوگوں کی روشنی ان کے اعمال کے بقدر متفاوت ہوگی۔

نماز مومنوں کے لئے دلیل و برہان ہے، برہان عربی زبان میں اس روشنی کو کہتے ہیں جو سورج کے بالکل قریب ہوتی ہے، اسی وجہ سے قطعی دلیلوں کو برہان کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ اپنے آپ میں نیر تاباں کی طرح واضح ہوتی ہیں، چنانچہ نماز بھی اپنے قائم و دائم کرنے والوں کی صحت ایمان کی دلیل ہے۔[جامع العلوم والحکم (۲/۲۳)].

اسی طرح نماز ہر برائی اور ہر عذاب سے نجات دلانے والی ہے اور ہر خیر و فلاح کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔

لیکن وہ شخص جو نمازوں کی ادائیگی نہیں کرتا ہے، نمازوں کو کوئی وقعت نہیں دیتا وہ بلا شبہ گھاٹا اور نقصان اٹھانے والا ہے اور قیامت کے دن اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان، اور ابی بن خلف کے

ساتھ ہوگا. ان چاروں کو خصوصی طور پر ان کی برائی میں اعلی مرتبت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے۔

ایک خاص بات: نماز نہ پڑھنے والا آدمی یا تو مال ودولت کے چکر میں پھنس کر اللہ کو بھول جاتا ہے یا اس کی بادشاہت وسلطنت، ریاست ووزارت اس راستے میں آڑے آجاتی ہے اور یا تو سامان تجارت اس کے لئے وبال جان بن جاتا ہے لہذا جس شخص کو اس کے مال نے نماز سے روکا اس کا حشر قارون کے ساتھ ہوگا اور جس شخص کو اس کی سلطنت وحکومت نے نماز سے غافل بنادیا اس کا حشر فرعون کے ساتھ ہوگا، اور جس شخص کو اس کی ریاست اور وزارت نے نماز سے پرے رکھا اس کا حشر ہامان کے ساتھ ہوگا، اور جس شخص کو اس کی تجارت نے نماز سے مشغول کردیا اس کا حشر ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ [الصلاۃ وحکم تارکہا ص:۲۳-۴۶].

تیرہویں صفت

زبان کی حفاظت، گھر کولازم پکڑنا، گناہوں پر رونا

عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعالٰی عَنْهُ قالَ: قُلْتُ : يَارَسُولَ اللّٰهِ ، مَا النَّجَاةُ ؟ قَالَ: (أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ ، وَابْكِ عَلَىٰ خَطِيئَتِكَ).

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ ایک دن میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ نجات کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی زبان پر قابو رکھو، اپنے گھر کو لازم پکڑو اور اپنے کالے کرتوت پر آنسو بہاؤ۔[ترمذی (۲۴۰۶) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح سنن الترمذی میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو (۲/ ۵۶۷)]۔

رسول اکرم ﷺ نے زبان پر قابو رکھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ زبان ہی

سے حرام باتیں صادر ہوتی ہیں، اور یہی وہ عضو ہے جس کا جرم عظیم انسان کو ہلاکت کے دہانے پر لا کھڑا کر دیتا ہے، بہت ساری معمولی باتیں جن کو ہم کوئی وقعت واہمیت نہیں دیتے اور جو طبیعت انسانی کے لئے ظاہری طور پر بڑی پیاری اور بھلی لگتی ہیں حقیقت میں وہ انسان اور انسانیت کی قاتل ہیں. طبعیت انسانی اور شیطانی فریب کا اس کالے کردار میں بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے، لہذا اگر ہم ان ساری چیزوں سے بچ نہیں سکتے ہیں تو کم سے کم اپنے آپ کو خاموش رکھیں کیونکہ خاموشی میں انسانوں کی کامیابی وسلامتی پنہاں ہے، اور اس روئے زمین میں سلامتی کے ہم پایہ اور کوئی شی نہیں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (مَنْ صَمَتَ نَجا).

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو خاموش رہا وہ بچ گیا۔ [ترمذی

(۲۵۰۱) اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح سنن الترمذی میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو (۶۰۴/۲)].

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: (مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْلِيَصْمُتْ).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ بھلی بات کہے یا پھر خاموشی کو ترجیح دے۔ [بخاری (۶۰۱۸) مسلم (۴۷)].

اچھی اور بھلی بات کہنا خاموشی سے بہتر ہے، اور خاموشی یہ بری اور گندی باتوں سے بہتر ہے جبکہ اچھی بات یہ انسان کے لئے توشہ آخرت ہے، اور بری باتوں سے بچنا یہ باعث سلامتی، ہر انسان کو اللہ تعالی نے قادر الکلام بنایا ہے اور وہیں دوسری طرف اگر انسان

خاموش رہنا پسند کرتا ہے تب بھی اس پر کوئی زبردستی نہیں ہے، چنانچہ اگر وہ اپنی زبان سے اچھی اور بھلی بات کرتا ہے تو اپنے آپ کو کامیابی سے ہمکنار کر رہا ہے، اور اگر بری باتوں سے زبان کو نہیں بچا پایا تو گھاٹا اور نقصان اس کا مقدر ہے۔

انسان کی گویائی میں دو فائدے اور دو نقصان ہیں فائدوں کا حاصل کرنا بہت ضروری اور نقصان سے بچنا بھی اس سے کم ضروری نہیں ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: (إِنَّكَ لَمْ تَزَلْ سَالِماً مَا سَكَتَّ ،فَإِذَا تَكَلَّمْتَ كُتِبَ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ).

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب تک خاموش رہو گے ہر برائی سے محفوظ رہو گے، اور جب بات چیت کرو گے تو یا تو وہ تمہارے لئے سود مند

ہوگی یاتمہارے لئے وبال جان ہوگی۔[الطبرانی (۱۳۷/۲۰)اورعلامہ البانی رحمہ اللہ نے اس پر صحیح لغیرہ کا حکم لگایاہے ملاحظہ ہو صحیح الترغیب والترھیب (۹۰/۳)].

عَنْ عُبَادَةَ بنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (قُولُوا خَيْراً تَغْنَمُوا وَاسْكُتُوا عَنْ شَرٍّ تَسْلَمُوا).

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا بھلی بات کہو فائدے میں رہو گے اور بری بات سے دور رہو محفوظ رہو گے۔[الحاکم (۴/۲۸۶۔۲۸۷) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب الصحیحہ میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو(۴۱۲)].

رہا اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان کہ اپنے گھروں کو لازم پکڑو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب فتنے ظہور پزیر ہو جائیں تو اپنے گھروں کو لازم پکڑو کیونکہ اس وقت یہ اپنے مکینوں کے لئے محافظ ثابت ہوں گے۔

عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰہُ تَعالَیٰ عَنْهُ عَنِ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ :
(وَمَنْ جَلَسَ فِي بَيْتِهِ لَمْ يَغْتَبْ إِنْسَاناً ، كَانَ ضَامِناً عَلَىٰ اللّٰہِ).

حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہا، غیبت اور چغل خوری سے بچتا رہا وہ اللہ کی پناہ میں ہوتا ہے۔

اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان کہ اپنے کالے کرتوت پر آنسو بہاؤ: اس کا مقصد یہ ہے کہ پچھلے تمام گناہوں پر نادم ہوتے ہوئے ان کو یاد کر کے روؤ اور اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرو۔

انسان ہر پل اور ہر لمحہ کو غنیمت جانے اور تمام خطائیں جو جانے انجانے میں ہوئیں اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرتا رہے کیونکہ آدم زاد سے غلطیوں کا ہونا امر ضروری ہے، ہر وقت ہر لمحہ ہم سے

خطائیں سرزد ہوتی ہیں، بہت سارے جرم عظیم کی پوٹلی لیکر ہم پھر رہے ہیں، چاہے وہ جرم عظیم اللہ کی جناب میں ہو یا انسانوں کے ساتھ، اللہ تعالی ہماری مغفرت فرمائے اور ہماری خطاؤں کو نیکیوں سے بدل دے۔

چودہویں صفت : دنیا سے بے رغبتی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرِو بنِ العَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : (نَجا أَوَّلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ بِالْيَقِينِ وَالزُّهْدِ ، وَيَهْلِكُ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ بِالْبُخْلِ وَالْأَمَلِ).

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (اس امت کا پہلا آدمی اللہ رب العالمین پر اعتماد ویقین اور دنیا سے بیزاری و بے رغبتی کی وجہ سے کامیاب ہوگا ،اور اس امت کا آخری آدمی بخیلی اور لمبی لمبی آرزوں کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوگا ۔[ابن أبي الدنیا نے اس حدیث کو اپنی کتاب قصر الأمل میں ذکر کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے ملاحظہ ہو صحیح الترغیب والترہیب (۳۳۴۰)].

زہد اور دنیا سے بے رغبتی کو کامیاب بنانے اور اپنے معیار پر کھرا

اترنے میں تین چیزوں کا معیاری کردار ہے ۔

سب سے پہلی چیز : زاہد دنیا اور دنیاوی زندگی اور اس کے لوازمات کو ختم ہونے والے سائبان، اور اس خیال کی طرح سمجھے جو آتے اور جاتے رہتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيهِ عُمَرُ وَهُوَ عَلَىٰ حَصِيرٍ قَدْ أَثَّرَ فِي جَنْبِهِ فَقَالَ: يَانَبِيَّ اللّٰهِ لَوِ اتَّخَذْتَ فِرَاشاً أَوْثَرَ مِنْ هذَا؟ فَقَالَ (مَالِى وَلِلدُّنيا ؟ ! مَامَثَلِي وَمَثَلُ الدُّنيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ سَارَ فِي يَومٍ صَائِفٍ، فَاسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا) .

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تشریف لائے، اللہ کے رسول ﷺ چٹائی پر سوئے ہوئے تھے، جس

سے آپ کے پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر اجازت دیں تو ہم آپ کے لئے ایک نرم گدا تیار کردیں آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے دنیا سے کیا سروکار میں دنیا میں اس سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لئے تھوڑی دیر رک جاتا ہے اور پھر وہاں سے رخصت ہوجاتا ہے اور اس درخت کو چھوڑ دیتا ہے۔[مسند أحمد (۱/۳۰۱)، ابن حبان (۲۵۲۶) الحاکم (۴/ ۳۰۹۔۳۱۰) امام ذہبی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے].

تھوڑی دیر ٹھہریئے اور اس مثال پر غور کیجئے، ہماری روزمرہ کی زندگی سے اس کی مطابقت اور ہم آہنگی پر ایک سرسری نظر دوڑائیے، تو دنیا کی حقیقت ہمارے سامنے کھل کر آجاتی ہے کہ دنیاوی زندگی اپنی تروتازگی میں درخت کے مانند ہے اور سرعت زوال میں سائبان کی طرح ہے اور انسان مسافر کی طرح ہے جو جلد از جلد سفر کرنے

والا ہے۔

مسافر آدمی گرمی کے دنوں میں جب بھی کسی سایہ دار درخت سے گزرتا ہے تو اس کی یہ سوچ نہیں ہوتی کہ وہ ہمیشہ اس درخت کو اپنا آشیاں بنائے بلکہ حسب ضرورت آرام کرتا ہے اور اس کے بعد وہاں سے کوچ کر جاتا ہے کیونکہ اگر وہ اس سے زیادہ رک جائے گا تو اپنے ساتھیوں سے جدا ہو جائے گا۔

عَنِ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ : (إِنَّ مَطْعَمَ ابْنِ آدَمَ جُعِلَ مثَلاً لِلدُّنیا ،وَإِنْ قَزَّحَہُ وَمَلَّحَہُ،فَانْظُرُوا إِلَی مَا یَصِیرُ) .

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہا اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کے کھانے کو دنیا کے لئے مثال بنادیا گیا ہے، چاہے جتنا اس میں مرچ مسالا اور نمک ڈال کر لذیذ کیا جائے لیکن اس کا انجام کسی سے مخفی نہیں ہے۔(انسان

کے پیٹ سے پاخانے کی شکل میں باہر ہوجاتا ہے)۔[عبداللہ بن أحمد نے اس کو زوائد المسند (۵/۱۳۶) میں ذکر کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں صحیح الترغیب والترہیب (۲۱۵۰)]۔

قزّحہ اور ملّحہ: اس سے مراد مسالا ہے جسے ہم اپنے کھانوں میں استعمال کرتے ہیں جیسے دھنیا، زیرہ، کالی مرچ وغیرہ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ انسانی کھانا بنانے میں چاہے جتنا تصنع وتنوع سے کام لیا جائے، انتھک محنت کرکے ہر طرح سے اسکو خوشبودار اور لذیذ بنایا جائے، اور خوب مزے لے کر شکم سیر ہوا جائے لیکن نتیجہ اس کا یہ نکلتا ہے کہ وہ کھانا جو حد درجہ ہمیں محبوب تھا ایک ایسی حالت میں بدل جاتا ہے جس سے طبیعت انسانی نفرت کرنے لگتی ہے، یہی مثال ہے دنیا اور آرائش دنیا کی چاہے جتنا ہم اس کو سجالیں اسے آباد کرنے میں اپنی تمام توانائی صرف کردیں لیکن آخری انجام

بربادی، ندامت اور حسرت ہے۔

عَنِ عَبْدِ اللّٰہِ بنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: (إِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الدُّنیَا کُلَّھَا قَلِیلًا، وَمَابَقِيَ مِنْھَا إِلَّا القَلِیلُ مِنَ القَلِیلِ وَمَثَلُ مَا بَقِيَ مِنَ الدُّنیَا کَالثَّغَبِ۔یَعْنِي الغَدِیرَ۔شُرِبَ صَفْوُہُ وَبَقِيَ کَدَرُہُ).

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے دنیا کو بہت معمولی بنایا ہے، اور جو کچھ اب اس دنیا میں باقی بچ گیا ہے وہ تھوڑے میں تھوڑا ہے، دنیا کی باقی شدہ چیزوں کی مثال اس تالاب کی ہے جس کا صاف وشفاف پانی پی لیا جاتا ہے اور گدلا پانی چھوڑ دیا جاتا ہے۔[الحاکم (۳۲۰/۴) علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب الصحیحہ میں ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو (۱۶۲۵)].

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعالَىٰ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: (لَوْكَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ،مَا سَقَى كَافِراً مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ).

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر دنیا کی وقعت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔ [الترمذی (۲۳۲۰) اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ملاحظہ ہو صحیح سنن الترمذی (۵۳۲/۲)]۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ يَقُولُ : سَمِعْتُ: رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ :(الدُّنيا مَلْعُونَةٌ ،مَلْعُونٌ مَا فِيهَا ، إِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ ،وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ) .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ

کے رسول ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کا ذکر اور جن نیکیوں کو اللہ تعالی محبوب رکھتا ہے، نیز عالم اور متعلم کے علاوہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں ملعون ہیں ۔ [الترمذی (۲۳۲۲)]
اورعلامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے صحیح سنن الترمذی (۵۳۳/۲)].

اللہ کے ذکر سے مراد: ہر قسم کی اطاعت الہی اور فرمانبرداری جس کو انسان اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے انجام دیتا ہے وہ اللہ کے ذکر میں شامل ہے، زبانی ذکر صرف مقصود نہیں ہے بلکہ زبان کے ساتھ ساتھ ہر اعضاء و جوارح جو اللہ کے ذکر وفکر میں مشغول ہوں سب ذکر الہی کے زمرے میں داخل ہیں ،اسی طرح وہ تمام چیزیں جوانسانوں کو اللہ سے قریب کردیں یا جن کو اللہ تعالی پسند کرتا ہوسب ذکر الہی کو شامل ہیں ،اسی طرح لعنت ان تمام چیزوں کو شامل نہیں ہے بلکہ مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ جو چیزیں ہیں وہ

لعنت الٰہی کی مستحق ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللّٰه ﷺ مَرَّ بِالسُّوقِ دَاخِلاً مِنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ ،وَالنَّاسُ كَنَفَتَيهِ ،فَمَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ ، فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهِ ثُمَّ قَالَ : (أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هَذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ ؟)فَقَالُوا : مَانُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيءٍ،وَمَا نَصْنَعُ بِهِ ؟ قَالَ: (أَتُحِبُّونَ أَنَّهُ لَكُمْ ؟)قَالُوا : وَاللّٰهِ لَو كَانَ حَيّاً كَانَ عَيْباً فِيهِ لِأَنَّهُ أَسَكُّ ،فَكَيْفَ وَهُوَمَيِّتٌ؟فَقَالَ :(فَوَاللّٰهِ لَلدُّنيَا أَهْوَنُ عَلَىٰ اللّٰهِ مِنْ هَذَا عَلَيْكُمْ) .

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ عوالی مدینہ سے بازار میں داخل ہوتے ہوئے گزر رہے تھے اور آپ ﷺ کے دونوں طرف لوگ تھے،تو آپ ﷺ کا بکری کے ایک چھوٹے کان والے مردار بچے کے پاس سے گزر ہوا آپ

ﷺ نے اسے اس کے کان سے پکڑا اور فرمایا: تم میں سے کوئی اسے ایک درہم میں بھی لینا پسند کرے گا؟ انھوں نے کہا ہم تو اسے ایک درہم کیا کسی بھی چیز کے بدلے لینا پسند نہیں کرتے اور ہم اسے لیکر کریں گے بھی کیا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: کیا تم پسند کرو گے کہ یہ تمہیں مفت ہی مل جائے؟ انھوں نے کہا اللہ کی قسم یہ (بچہ) اگر زندہ ہوتا تب بھی عیب دار تھا، کیونکہ چھوٹے کانوں والا تھا تو اب اسے کون لے گا جبکہ یہ مردار ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم، یقیناً اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے، جتنا بکری کا یہ مردار بچہ تمہاری نظروں میں حقیر ہے۔ [مسلم ۲۹۵۷]

زہد کو کامیاب بنانے میں دوسری اہم چیز: یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ دنیاوی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی شروع ہونے والی ہے جس کا مقام و مرتبہ نہایت بلند و بالا ہے وہیں دوسری طرف وہ نافرمانوں کے لئے نہایت خطرناک

بھی ہے جسے ہم دارالبقاء یعنی ہمیشگی کا گھر کہتے ہیں۔ دنیاوی زندگی کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسے ہی ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے: (وَاللّٰہِ مَا الدُّنیَا فِي الآخِرَةِ ،إِلَّا مِثْلُ مَا یَجعَلُ أَحَدُکُم أُصْبُعَهُ فِي الیَمِّ فَلْیَنظُرْ بِمَا یَرْجِعُ).

دنیا کی مثال ایسے ہی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبوئے اور پھر نکال کر دیکھے کہ وہ سمندر کا کتنا پانی اپنے ساتھ لائی ہے۔[مسلم (۲۸۵۸)].

حدیث کا مفہوم: دنیا کی مثال جس کی عمر بہت تھوڑی ہے اور جس کی لذتیں گنی چنی اور محدود ہیں آخرت کے مقابلے جو دار البقاء اور ہمیشگی کا گھر ہے جس پر خزاں نہیں آسکتا ہے اور جس کی نعمتیں بھی لامحدود ہیں اس پانی کے مانند ہے جو انگلی میں لگ کر سمندر سے نکلتا ہے۔

تیسری چیز جس کا زہد اور دنیا سے بیزاری میں بہت اہم رول ہے وہ یہ ہے کہ زاہد کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالی نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا، زاہد حصول دنیا میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ اللہ تعالی اس کے مقدر میں اس چیز کا حصول لکھا نہ ہو، چنانچہ جب زاہد کو اس بات کا علم ہو جائے گا کہ ساری چیزیں جو اس روئے زمین میں وجود پذیر ہوتی ہیں سب اللہ تعالی ہی کے حکم سے ہوتی ہیں تو اس کے لئے دنیا میں ساری چیزیں نہایت آسان ہو جائیں گی۔

یہی وہ تین چیزیں ہیں جو زاہد کو سرخ رو اور کامیاب بنا سکتی ہیں اور راہ حق پر ثابت قدم رہنے میں معین و مددگار بن سکتی ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے اس کی توفیق عطا کرتا ہے۔

زاہد کی پہچان تین چیزوں سے ہو سکتی ہے:

۱۔ زاہد کسی چیز کو پا کر بہت خوش نہ ہو اور اسی طرح کسی چیز کے چھن جانے پر بہت زیادہ افسردہ بھی نہ ہو. جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ﴾[الحديد : ٢٣].

تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ۔

۲۔ زاہد کے نزدیک اس کی تعریف کرنے والے اور اس کی مذمت کرنے والے یکساں ہوں۔

۳۔ زاہد اللہ اور اسکی شریعت سے محبت کرنے والا ہو ،اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری اس کے ہر عضو سے ظاہر ہو،کوئی بھی دل محبت سے خالی نہیں ہوتا ہے، چاہے وہ دنیا کی محبت ہو یا اللہ کی ،اور یہ دونوں دل میں اس پانی اور ہوا کے مانند ہیں جو برتن میں ہوتے

ہیں، اگر اس میں پانی انڈیل دیا جائے تو ہوا باہر نکل جاتی ہے کیونکہ پانی اور ہوا ایک جگہ اکٹھا نہیں ہو سکتے چنانچہ جس شخص کا دل اللہ کی محبت سے معمور ہوگا اس میں دنیا کی محبت گھر نہیں کر سکتی ہے۔[عدة الصابرين ص :(۳۱۶)].

پندرہویں صفت : روزہ

عَنْ عُثْمَانَ بنِ أبِي العَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: (الصَّومُ جُنَّةٌ مِنَ عَذَابِ اللّٰهِ، كَجُنَّةِ أحَدِكُم مِنَ القِتَالِ).

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا روزہ ڈھال ہے اللہ کے عذاب سے، جس طرح تم میں کا کوئی شخص جنگ وجدال میں اپنے آپ کو ڈھال سے بچاتا ہے۔[مسند أحمد (۴/ ۲۱۷) اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ملاحظہ ہو صحیح الجامع (۳۸۷۹)].

ڈھال اس ہتھیار کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے آپ کو لڑائی وغیرہ میں بچاتا ہے، اسی طرح روزہ بھی انسان کو دنیا میں برائیوں سے بچاتا ہے اور آخرت میں جہنم کے عذاب سے بچائے گا۔

خاتمہ

تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں صراط مستقیم کی رہنمائی فرمائی اگر اللہ کی مشیت شامل حال نہ ہوتی تو ہم صراط مستقیم سے بہت دور ہوتے۔اور درودوسلام نازل ہو آخری نبی اور رسول محمد ﷺ پر ۔

دنیاوآخرت میں انسانوں کو اللہ کے عذاب سے بچانے والی چیزوں کے بیان کے بعد اس بات کا بیان کردینا بہت ہی ضروری ہے کہ انسان اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتاجب تک کہ اللہ اپنے عفوودرگزر،اور رحم وکرم سے بخش نہ دے۔جیساکہ مخلوق میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ فرمانبردار انسان کا فرمان ہے:

(لَنْ يُنجِيَ أَحداً مِنكُمْ عَمَلُهُ) قَالُوا: وَلَاأَنتَ يَارَسُولَ اللّٰهِ ؟(قَالَ:وَلَاأَنَا ،إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ).

تم میں سے کسی کا عمل اس کو اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکتا،صحابہء کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ کو بھی آپ کا عمل نہیں بچا سکتا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ہاں مجھکو بھی میرا عمل بچا نہیں سکتا اِلّا یہ کہ اللہ تعالی اپنی رحمت سے بخش دے ۔[بخاری (٦٤٦٣) مسلم (٢٨١٦)].

لہذا ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اللہ کو جانیں اسکے حقوق کو پہچانیں، بندگی کے تقاضوں کو احساس کریں،اس کے برعکس ہرانسان کی وہیں یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ذات کو پہچانے،اپنی صفات وافعال کو جانے ،اپنے کردار کو بطور آئینہ کے استعمال کرے۔اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے والا ،اللہ کی عبادت کرنے والا ،اللہ سے لو لگانے والا اپنی عبادت وریاضت اورخشیت الہی کے سمندر کے ایک قطرے

کی طرح جانے ،اور یہ ایک قطرہ کے برابر اس وقت ہوسکتا ہے جب یہ ظاہری وباطنی آفتوں سے محفوظ ہولیکن اگر عبادت ظاہری وباطنی آفتوں سے محفوظ نہ ہو تو عبادت کے نام پر وہ انسان کے لئے وبال جان ہے۔[زادالمعاد۳/۵۹۱۔۵۹۲]

عَنْ أُبَيِّ بنِ كعبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ : عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (لَوأنَّ اللّٰه عَذَّبَ أَهْلَ سَمَاوَاتِهِ وَأَهلَ أَرْضِهِ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غيرُ ظَالِمٍ لَهُمْ،وَلَورَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهُ خيْراً لَهُمْ مِنْ أَعْمَالِهِمْ).

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا :اگر اللہ تعالی آسمان اور زمین کے لوگوں کوعذاب دینا چاہے تو انہیں عذاب دے سکتا ہے اور وہ ان کے ساتھ ظلم کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر اللہ تعالی رحم وکرم کا سایہ ڈالنا چاہے تو اس کی رحمت ان کے اعمال کے مقابلے میں زیادہ

بہتر ہے۔[ابوداود(۴۶۹۹) اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ملاحظہ ہو صحیح سنن ابوداود(۳/۱۴۸)]

اللہ تعالی کے اسماء حسنی اور بلند وبالا صفات کے ذریعہ ہم اللہ سے اس کی رحمت کے طلب گار ہیں،اللہ کی رحمت ساری چیزوں کو محیط ہے ،اللہ تعالی رحم وکرم کرنے والا اور عزت وسربلندی سے نوازنے والا ہے۔

فہرس

عناوین	صفحات
مقدمہ	۱
پہلی صفت توحید کی بجاآوری	۵
دوسری صفت جماعت کو لازم پکڑنا	۱۴
تیسری صفت ایمان	۲۹
چوتھی صفت تقوی	۳۲
پانچویں صفت اللہ سے مغفرت طلب کرنا	۳۷
چھٹی صفت غصے کو پی جانا	۴۲
ساتویں صفت اللہ کا ذکر کرنا	۵۱
آٹھویں صفت اخلاص	۵۷
نویں صفت صدقہ	۵۹
دسویں صفت سچائی	۶۴
گیارہویں صفت خوف باری تعالی،میانہ۔۔۔۔۔	۷۲

عناوین	صفحات
بارہویں صفت پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی	۷۸
تیرہویں صفت زبان کی حفاظت ------	۸۲
چودہویں صفت دنیا سے بے رغبتی	۸۹
پندرہویں صفت روزہ	۱۰۳
خاتمہ	۱۰۴
فہرست	۱۰۸

ⓒ المكتب التعاوني للدعوة والارشاد بالسلي ، ١٤٣١هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

وهبي ، عبد الهادي بن حسن
الخصال المنجية في الدنيا والاخرة / اردو / عبد الهادي بن
حسن وهبي – الرياض ، ١٤٣١ هـ
١٠٨ ص ، ١٦ سم

ردمك: ١ - ٢٢ - ٨٠٤٨ - ٦٠٣ - ٩٧٨

١- الوعظ والارشاد ٢ – الاخلاق الاسلامية أ العنوان
ديوي ٢١٣ ١٤٣١/٩٢٠١

رقم الايداع : ١٤٣١ / ٩٢٠١
ردمك : ١ – ٢٢ – ٨٠٤٨ – ٦٠٣ - ٩٧٨

الخصال المنجية في الدنيا والآخرة

جمع وترتيب

شعبئه جاليات مكتب

مکتب تعاونی برائے دعوت وارشاد سلی - ریاض

☏: ۲۴۱۰۶۱۵-۲۴۱۴۳۸۸/۰۱ فیکس ایکسٹنشن: ۲۳۲